منجانب دارالتبلیغ ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ

هٰذا كتابنا ينطق عليكم بالحق

فلسفة الاسلام

(جلد اول)

سائنس و مذہب

(مصنفہ)

حکیم الامۃ، معین العلماء، اعلم علماء ہند، مولانا سید احمد صاحب مجتہد العصر مصنف حمایت الاسلام وغیرہ
ابن حضرت شمس العلماء مولانا سید محمد ابراہیم صاحب طاب ثراہ

(مطبوعہ)

سرفراز قومی پریس لکھنؤ

دیباچہ

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام کو سائنس سے کوئی تعلق نہیں ہے کس قدر جہالت اور غلط فہمی اس بارے میں ہے جس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سائنس داں قرآن و حدیث کو دیکھنا نہیں چاہتے اور علمائے اسلام سائنس کو کفر و زندقہ سمجھتے ہیں جہالت رفع ہو تو کیونکر یہ نافہم نہیں سمجھتے کہ اسلام تو نام ہی سائنس کا ہے جب اسلام کا صحیح یہ اعتقاد ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے کا خالق خدا ہے اور ہر شے تحت نظام قدرت ہے، تو ایسا مذہب سائنس کو کیسے چھوڑ سکتا ہے موضوع بحث اسلام کا مادہ اور مادیات ہی ہیں جو اس کی علت تامہ اس کی علت العلل کو بتا دے یعنی خدا۔ دین اسلام تو اسی لیے آیا ہے کہ مادیات کی اصلاح و تنظیم کرے اور مادے کی فرزند جلیل انسان کو اس قابل بنا دے کہ وہ اس کو مادے کا صحیح مصرف بتا دے۔ اسلام تو سائنس کے ہر شعبہ میں بحث کرتا ہے اور جبکہ انسانی زندگی کا ہر شعبہ کا تعلق سائنس سے ہے تو اسلام کسی شعبہ کو کب چھوڑ سکتا ہے۔ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے واسطے سنہ ۱۹۲۰ء میں ہم نے خدا پر بھروسا کر کے یہ بیڑا اٹھایا تھا کہ سائنس کے ہر شعبہ پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کریں اور فلسفۃ الاسلام کی تصنیف شروع کر دی تھی جس میں اٹھارہ علوم و فنون پر بحث کی گئی اور اٹھارہ (۱۸) جلدیں لکھی تھیں۔ مختصر یہ ہے کہ ہم اپنا فریضہ ادا کرتے رہے اور جب تک باحواس ہیں خدمت اسلام انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔ دیکھیں یہ جلدیں کب اور کس باہمت کے ہاتھ سے طبع ہوتی ہیں۔ اس رسالہ "سائنس و مذہب" کو لکھنے کے بعد خیال ہوا کہ اس کو اصل کتاب فلسفۃ الاسلام کا مقدمہ قرار دیدیں اور اس سلسلہ کی پہلی جلد اسی کو قرار دیں ہر چند کہ یہ رسالہ سنہ ۱۹۴۳ء میں لکھا جا رہا ہے لیکن اس کا گہرا تعلق فلسفۃ الاسلام کے سلسلہ سے ہے۔ وباللہ التوفیق

السید احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد اللہ و نستعینہ و نصلی و نسلم علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ

—— (۱) ——

علم کا مبدء لذت و الم ہے

انسانی جملہ خواہشات خلقی و فطری جذبات کے تحت پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک لذت دوسرے الم ہی اس کا تفصیلی ثبوت علم النفس میں کیا جائے گا جملہ علوم و فنون کا سنگ بنیاد نفس کی انھیں دو خواہشوں پر ہی اور تمام انسانی بسر برد کے ذرائع انھیں دو خواہشوں نے پیدا کئے زندگی کا ہر شعبہ یا لذت کے ماتحت ہی یا الم کے انھیں دونوں جذبوں نے علمی مانگ شروع کی اگر یہ دونوں جذبے نہ ہوتے تو دنیا میں کسی علم کا وجود نہ ہوتا کن چیزوں سے نفس انسانی کو لذت ہوتی ہی اون چیزوں کا اکتساب دنیا کی پیدائش کے ساتھ شروع ہوا کن چیزوں سے الم ہوگا اُس الم کے خوف سے مضرات سے بچنا شروع ہوا انسان میں اس کو لذت نے پیدا کیا اور الم نے خوف کو۔ نظام کائنات اسی خوف و رجا امید و بیم پر قائم ہی جو لذت و الم کی پیداوار ہیں اور اکتساب لذت و دفع الم کے لیے جملہ علوم کی انسانوں نے بنیاد ڈالی ہر ایجاد و اختراع کے وقت یہی دو جذبے بظاہر یا مخفی موجود ہوتے ہیں لہذا جملہ علوم پر نفس ہی حکمران ہی جو علوم نفس کے مطالبہ پر صحیح اترتے ہیں وہی کار آمد ہیں باقی غیر مفید بے نتیجہ اور غلط ہوتے ہیں کس چیز میں لذت ہی اور کس چیز میں الم ہی اس کی جانچ بغیر علم ناممکن تھی اسی لیے جب سے وجود انسان کا ہوا اس وقت سے اکتساب لذت و دفع مضرت کیلئے وہ تحصیل علم و اسرار غیر منکشفہ کے کھوج میں سرگردان و سراسیمہ ہے اور پیدا ہوتے ہی انسانی طبیعت میں علمی مانگ شروع ہو جاتی ہے زمانہ حجریت و بربریت ہو یا زمانہ تمدن و تہذیب ہر

عہد میں ماحول کی مناسبت سے علم کو لازمہ حیات مانا گیا ہے تمام ضروریات زندگی کا مدار و اساس ہمیشہ علم ہی کو سمجھا گیا ہے۔ بچہ رونے کو اکتساب لذت کے لیے ذریعہ غذا کا سمجھتا ہے پستان مادر اور نیز ہر اُس شے کو جو اُس کے مُنھ میں پہونچائی جا دے فوری چوسنے لگتا ہے اور اُسی کو ذریعہ شکم پُری قرار دیتا ہے یہ نقوش ہیں جو انسان کی سرشت و فطرت میں موجود ہوتے ہیں اور انسان کے وجود میں آنے کے ساتھ علمی ذخائر پیدائش ہی میں ساتھ ساتھ آتے ہیں۔

انسان اول نے پیدا ہوتے ہی آنکھ کھول کر گرد و پیش کے اشیا کو دیکھا اور موجودات کے نقش و نگار پر سطحی نظر ڈالی اس سیر و تماشہ سے لذت ہوئی اور اس لذت نے خواہ مخواہ حاسہ بصر کو ذریعہ مبصرات سمجھا اور چل پھر کر نئی نئی چیزیں دکھائی دینے پر سعی کی منزل میں قدم دہرا اور اسی منزل سے قیاس کا لگاؤ حواس کے ساتھ شروع ہو گیا حالانکہ ابھی انسان حواس کی پہلی ہی منزل میں ہے اور قیاس کے اس سے تعلق کی بھی وہ پہلی اور سادہ منزل ہے انسان بالکل بے خبر ہے کہ حاسہ بصر کیا ہے۔ اور قیاس کا پوشیدہ کام کیا ہے۔

دفعتاً ایک سانحہ ایسا پیش آیا جس نے خاموش انسان کو آواز دے کر جھنجھوڑا چونک کر اس کو علم ہوا کہ آنکھ ہی نہیں بلکہ ان دیکھی آواز بھی سُنائی دیتی ہے کیوں اور کس لیے اور کس عضو سے اس کا تعلق ہے شئے مدرک کی کسی باطنی گدگداہٹ نے یہ سوالات سامنے پیش کئے قیاس ہے کہ کان کھولنے اور بند رکھنے سے یہ راز کھلا ہو گا کہ کان آلہ سماعت ہے جو ان دیکھی چیزوں کو بتاتا تھا۔ یکایک آواز سے خوف پیدا ہوا اور بچنے بھاگنے چھپنے کو ذریعہ دفع الم کا قرار دے کر جان کو محفوظ پا کر لذت پیدا ہوی اور الم کا دفع بھاگنے چھپنے کو قرار دیا جو سادہ شکل حفاظت کی نفس نے پیش کی اور اس دور ارتقائی تک وہی سادگی کارفرما ہے۔ بھوک پیاس کے زور نے نڈھال و پریشان کیا کنکر پتھر گھانس پھونس جو سامنے آ گیا کھانے لگا۔ بھوک کا الم اس گھانس پھونس نے دُور کیا اور غذا لذت بن گئی اس سے مزا اور ذائقہ کا امتیاز ہوا اور اشیائے خوردنی

میں انتخاب بھی لذت وذائقہ کے رجحان سے ہوا۔ تین حاسہ ابتدا ہی میں انسان کو معلوم ہوئے اور یہ بھی علم ہوا کہ ہر سہ حاسہ ایک دوسرے کی نیابت نہیں کرسکتا یہ بھی بار بار تجربوں نے بتایا نرم وسخت شے کا فرق چھونے سے ہوا اور لامسہ نے یہ چوتھی منزل بھی طے کرادی جس میں بھی لذت والم شامل تھا، خاردار شے سے الم ہوا اور نرم چیزوں سے لذت ہوئی الم کو مضر قرار دے کر تکلیف دہ اجسام سے حفاظت کی اور راحت رسانی اجسام کو لذت بتایا۔ غذاؤں میں بد بو اور خوشبودار مناسب طبیعت کو شامہ نے بتایا۔

غرضکہ پانچوں حواس کی منزلیں ضروریات زندگی نے پوری کرادیں اور غائبانہ لذت والم وخوف ورجا کی رہبری کارفرما رہی۔ یہ ہلکی وسادی علمی تصویریں تھیں جو لذت والم سے حاصل ہوئیں جس قسم کا علم جس حاسہ سے حاصل ہوتا ہے وہ حاسہ پیدائشی کسی میں مفقود ہو تو اُس طرح کا علم کسی اور ذریعہ سے اُس کو قطعاً حاصل نہ ہوگا (حدود نظریہ کے اندر صناعی حواس کا ذکر نہیں ہے) ان حواس خمسہ باصرہ، سامعہ، لامسہ شامہ، ذائقہ، کو ابتدا ہی میں جملہ معلومات کا ذریعہ قرار دیا جاچکا تھا۔ چھٹا حاسہ وزن کا جدید تحقیق سے معلوم ہوا انہیں حواس نے موجودہ دور تمدن میں ترقی کرکے معجزہ و کرامت بنادیا لیکن تمام ترقیوں کے تحت میں پوشیدہ طور پر لذت والم ہی ہے جو مہیج و محرک تمام علوم وایجادوں کا ہے اور حواس آجتک ذریعہ علم ومعلومات کا ہیں ان حواس کے علاوہ کوئی نئی چیز جو عقل کے نام سے موسوم ہو سامنے موجود نہیں ہے شعور اور لاشعوری تجربہ وحواس کے نتائج میں جو نفسیاتی ہیں چاہے عقل کو عقل کہو یا روح کہو اصل نفسی الہامات ہیں جس کی وکالت حواس کرتے ہیں۔ اور نفس کی باطنی قوت علم میں ابتدا ہی سے کام کررہی تھی اور حواس کی قوت سے معلومات وتجربیات کی فہرست بنتی جاتی ہے اور قوت مافوق الحواس نہیں مانی جاتی تھی جس کی کرشمہ سازی ابتدائے آفرینش انسان سے آجتک کسی نہ کسی رنگ سے انسان میں کارفرما ہے اس دور تمدن وتہذیب میں بھی تمامتر دارومدار حواس وتجربہ پر ہے جو شئے بھی نفسیاتی ادلہ کی پُرزور

تائید حاصل کرتی ہو وہ بھی ماننے کے قابل ہے ہر چند کہ تجربہ و مشاہدہ سائنٹفک اصول سے ثابت نہ ہو اس لیے تجربہ اور سائنٹفک اصول اور حواس غلطی بھی کرتے ہیں اسلیئے نفس اور اُن کا جذبہ لذت و الم حاکم رہتا ہے یہ لذت کہ لذت و الم کا کوئی معیار نہیں ہے ایک کے لیئے لذت ہے دوسرے کے واسطے وہی الم ہے بالکل صحیح ہے لیکن نفس کی حکومت اور اس کا فیصلہ فیصلہ ہے یہ کتاب علم النفس کی نہیں ہے تفصیلات کے لیے فلسفۃ الاسلام جلد نفسیات کا انتظار کرنا ہوگا۔

نتیجہ اس کا کیا ہوا کہ علم و معلومات مادہ و مادیات یعنی محسوسات کی چار دیواری میں محصور و قلعہ بند ہو گیا۔ تجربات و مشاہدات کی فراوانی اور نفس کی غائبانہ مخفی و رازداری سے غافل انسان کو دھوکے دے کر صدیوں میں زندگی کے شعبے بنائے اور ان کی تالیف و تدوین شروع ہوئی اور محسوساتی علوم کی بنیاد پڑی۔

جن علوم سے ہم کو اس وقت بحث ہے کہنے کو یہ علوم عقلیہ کہے جاتے ہیں لیکن درحقیقت ان علوم عقلیہ کا اساس یہی محسوسات یعنی مادہ و مادیات ہیں اس میں نفس کی کارفرمائی یہ ہے کہ حواس کے ذریعہ جو علوم و ادراکات حاصل ہوتے ہیں انھیں کو مقدمہ بنا کر ایسا نتیجہ نکال لے جو محسوس نہیں ہوتا مثلاً انسان نے دیکھا کہ لکڑی پانی پر تیرتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکالا۔ اگر تختوں کو لکڑی کے جوڑ کر کشتی بنائی جاوے تو وہ انسانی ضروریات کو دریاؤں میں سفر و سیاحت سے پورا کر سکتی ہے انسان کو علم ہوا کہ تختہ پانی میں اس لیے نہیں ڈوبتا کہ اس کے اندر مسامات و تخلخل میں جنمیں ہوا بھری ہے۔ اور وہ تختہ کو سطح آب پہ اٹھائے رہتی ہے اس نتیجہ پر یہی نفس کی اُس لذت نے پہنچایا جو عرصہ تک خواہشمند تھی بحری سیاحت کر کے اُس سے مفید و لذت وہ منافع حاصل کریں اس کھوج نے احساسی تجربے شروع کر دیئے تھے جو رفتہ رفتہ حواس میں جمع ہوتے رہے اور معمولی کشتی آج بہترین ذریعہ اکتساب لذت و دفع الم کے لیے تیار ہو گئی یہ نفس کی پیداوار ہے اور جو نتیجہ خیز بات ہوئی محض مادہ و مادیات کے اندر محسوسات و تجربیات حسیہ کے ذریعہ۔

دوسری مثال ۔ انسان نے دیکھا کہ آفتاب ماہتاب ایک مقررہ مقدار میں حرکت کر رہے ہیں غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے راستے بھی معین ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان راستوں کا تو ہر تقاطع ہوتا ہے اور جب تقاطع کی جگہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو گرہن لگتا ہے اس طرح سے حساب مرتب کر کے گرہن کی پیشین گوئیاں ہونے لگیں اور فن ہیئت کا وسیع علم بن گیا ۔ جو نفس کی نتائج محسوسات و تجربیات کا کرشمہ تھا تمام میکانیات تجربہ اور محسوسات کی ترتیب ہے ترتیب صحیح ہے تو نتیجہ میں کامیابی ہے ورنہ غلطی ہے اور یہ سب نفس کے ارادے سے ہوا جس کا محرک یا مہیج نفس کا لذات و الم ہے یعنی علت غائی یا تو حصول لذت ہے یا دفع الم ہے ۔

الغرض حس و تجربہ و قیاس کی مدد سے انسان نے علوم و فنون و حکمت و انسانیت کو اس حد تک پہونچایا جس کی تحدید ناممکن ہے اور انسان اس بلند درجہ پر پہونچ گیا جس کی بدولت تمام مظاہر قدرت اُس کے تابع ہو کر رہ گئے ۔ یہ تمام کامیابی و ترقی انسان کو محض محسوسات کی پرستاری سے ہوئی اور تمام علوم جن کو عقلی کہا جاتا ہے حقیقت میں علوم حسیہ ہیں اگر تھوڑی دیر کے لیے ان علوم سے محسوسات و حسی تجربیات کو ہٹا لو تو ذیل کے تمام علوم و فنون جو آج تک انسان نے بنائے تھے مہمل و بے معنی ہو جاتے ہیں ۔ وہ علوم جو انسان نے ایجاد کئے اور اُن کا نام عقلی رکھا ہے درانحالیکہ سب کی علت غائی محسوسات و مادیات ہیں اور سب کا اساس یہی محسوسات ہیں ، اُن کے انواع و اقسام کی حد نہیں ہے ۔ اور سب کا ماخذ مشاہدات و تجربیات پر ہے جو خالص نفس کے لذت و الم کی غرض سے مدون ہوئے اگرچہ موجد و مقنن کی سطحی نظر میں اُن علوم کی تدوین کی غایت حصول لذت و الم نہیں ہوتی لیکن لذت و الم کا ایک سیل تحت تصورات و تجربیات میں جاری و ساری ہوتا ہے اور خلقت خدا کی نفع رسانی یا ضرر رسانی کے ذرائع کی معلومات کا حصول ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جملہ علوم نفس انسانی میں موجود ہیں انسان اُس کا مترجم ہے اور کیفیات و تفصیلات کا ترتیب دینے والا حکیم و فلسفی کہلاتا ہے ۔ لیکن پھر بھی ہم سمجھانے کے واسطے

ذکر کرتے ہیں۔

(۱) منطق۔ یہ اُن قواعد کے مجموعہ کا نام ہے جس کو ملحوظ رکھنے سے انسان خطا فی الفکر سے بچتا ہے۔ ان قواعد کو دیکھ جاؤ سب کا اساس قیاسات ہیں جن کا مدار تجربیات وحسیات پر ہے اور خطا سے حفاظت دفع الم کے لیے ہے یا حصول لذت کیلئے۔

(۲) علم طبعی۔ کا مدار تو محض محسوسات پر ہے جیسے اجسام عنصری، اجسام مکنونہ اجسام نباتیہ، اجسام حیوانیہ، اجسام فلکیہ، حرکات طبیعہ، اور حرکات میکانیہ اور نفس پر اس حیثیت سے کہ وہ حرکت وسکون کا مبدا ہے۔

(۳) علم المقادیر جن کی چار قسمیں ہیں۔

اوّل۔ علم ہندسہ، مطلق مقادیر کی بحث کو علم ہندسہ کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) اگر کم منفصلہ پر بحث ہو تو علم الاعداد ہے۔

(ب)۔ کم متصلہ پر بحث ہو تو اقلیدس ہے جیسے خط، سطح، اجسام تعلیمی وغیرہ

دوم۔ علم الارثماطیقی جس میں مقادیر منفصلہ کے خواص وعوارض پر بحث ہوتی ہے

سوم۔ علم موسیقی جس میں اصوات ونغموں کی کمیت اور نسبت سے بحث ہوتی ہے

چہارم۔ علم ہیئت جس میں افلاک کے اوضاع۔ اشکال۔ حرکات۔ منازل وغیرہ سے بحث ہوتی ہے۔

مذکورہ علوم کا نام علوم عقلیہ رکھا گیا ہے جو سب کے سب مادہ و مادیات ومحسوسات ہی کے واسطے بنائے گئے ہیں اور محسوسات سے نفس کے رابطہ کو بضرورت لذت والم پیدا کیا گیا ہے۔

مدعیان عقل نے علوم عقلیہ کی یہ چھ قسمیں کی ہیں اور اُن سے بہت سے شعبے نکلے ہیں جو خود بڑے وسیع اور مستقل علوم ہیں۔ جیسے

طبعیات سے۔ علم طب، علم الادویہ۔ علم المعادن، علم نباتات، علم حیوانات علم الاحجار، کیمسٹری، علم المناظر، علم الجو، الکٹری سٹی، علم الافلاک اور سائنس کے

بے شمار اقسام۔

علم الاعداد۔ علم الحساب، فرائض، معاملات اور دوسری بے شمار قسمیں۔ علم ہئیت۔ علم نجوم، علم الارصاد، زائچہ کا حساب وغیرہ۔

مذکورہ علوم میں سے ہر ایک بڑا وسیع علم ہے اور بے انتہا مسائل کو حاوی ہے پھر ان شعبوں سے بہت مستقل فروع نکلے ہیں جو خود مستقل ناموں سے موسوم ہیں، ان سب کو ملا کر علوم کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا ہے جس کی تحدید نا ممکن ہے انھیں علوم میں الٰہیات بھی ہے جسمیں روحانیات پر بحث ہوتی ہے یعنی ایسی چیزیں جو مابعد الطبعیہ اور غیر محسوس ہیں اس قسم کو ہم ابھی چھوڑتے ہیں اس لیے کہ ہماری کتاب کا موضوع صرف یہی قسم ہے لیکن اتنا بتائے دیتے ہیں کہ مذہب بھی نفسیاتی جذبہ ہے اس پر بحث صرف نفسیات ہی سے کی جا سکتی ہے دیگر علوم کی لگاوٹ سے (کوئی علم بھی ہو جو نفسیاتی پیداوار ہے امور مذہبیہ اور اس کے تفصیلات کا ثابت کرنا قریباً محال ہے) مذہب نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ نفسیات انسانی نے کثرت سے مذہب پیدا کر دیئے ہیں۔ معیاری اور سچا مذہب وہی ہے جو نفسیاتی اصول کے مطابق ہو اور نفسیاتی تمام مطالبات کو پورا کرے اور نفسیاتی مضرات سے بچاوے یعنی جسمیں بجز لذت الم نہ ہو اور تمام آلام کا جسمیں پورا دفعیہ ہو انسانی ضروریات کو پورا کرتا ہو اور نفس انسانی کی تکمیل کر کے اس کو مطمئن کر دے۔ فی الحال ہم مذکورہ قسموں اور اُن کے شعبوں کی مفصل بحث کو ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ حقیقی علم الٰہیات سمجھ میں آسکے۔

مذکورہ علوم مادیہ کی مدد سے ساری دنیا کا نقشہ پلٹ گیا صنایع و حرفتوں کا جال بچھ گیا۔ کھانا۔ پینا، سونا، جاگنا، اُٹھنا۔ بیٹھنا، پھرنا، کھیل تماشے، مسرت و غم اور ہر کام کے لیے مصنوعات کی الگ دنیا بنائی مختلف حالات، مختلف مدارج، مختلف طبقات مختلف اقوام، مختلف ممالک کے لیے علٰحدہ علٰحدہ اصول و قواعد و جدا جدا طرز معاشرت قائم ہوئے۔ دوربین و خوردبین کی ایجاد سے قوت باصرہ۔ اور ٹیلیگراف و ٹیلیفون کی ایجاد سے قوت سامعہ نے اتنی ترقی کی کہ انسان معجز نما بن گیا۔ ریل، جہاز اور

ہوائی جہاز نے انسان کو طے الارض کا معجزہ عطا کر دیا۔

جتنے علوم و فنون کا اوپر ذکر ہوا اُن کو علوم عقلیہ یا اُس کے نتائج کو بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن غور سے دیکھو تو ایک بھی ان میں کا عقلی نہیں ہے سب کے سب علوم محسوسہ اور قوت حواس و احساس و ادراکات کی ارتقائی منازل کے کرشمے ہیں اور مذکورہ علوم کا اساس و بنیاد محسوسات و مدرکات مادہ و مادیات ہیں اور دلائل و نتائج کی حیثیت سے ان سب کا مرتبہ بھی ایک نہیں ہے۔ بعض علوم وہ ہیں جن کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا خلاف اب تک ظہور میں نہیں آیا ہے لہذا وہ صحیح و یقینی ہیں لیکن جس وقت بھی اس کے خلاف کا تجربہ و مشاہدہ ہو جاوے گا تو وہ غلط و بے بنیاد ہو جائیں گے۔ بعض وہ ہیں جو آج بھی اس دور تحقیق میں بھی ظنی اور قیاسی ہیں اور شبہات سے پُر ہیں۔ بعض وہ علوم ہیں کہ جن کے ادلہ بظاہر تو بہت قوی ہیں یقینیات کا درجہ رکھتے ہیں مگر حقیقتاً وہ صحیح نہیں ہیں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر حواس بجائے پانچ کے آٹھ دس ہو جاویں یا دو تین رہ جائیں تو موجودہ علوم و تجربیات کا کیا حشر ہوگا اساس بدل جانے پر تمام اصول و قوانین علمیہ کی درگت بن جاوے گی اسی لیے اُن کو علوم عقلیہ کہنا غلط ہے اگر ان کا اساس عقل ہوتی تو حواس کے تغیر سے ان میں تغیر ناممکن ہوتا۔ جو علوم محسوسات کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں وہ بدیہی کہلاتے ہیں اگر حواس صحیح ہوں تو یہ علوم بھی صحیح ہونگے اس صحیح علم میں غور و فکر کے بعد جو نتائج برآمد ہوں گے اُن کو بھی اگر صحیح طریقہ سے جانچا جا سکے تو اس کی صحت میں شبہ کی گنجائش نہ ہوگی جیسے علوم ہندسہ تمام علوم میں باعتبار صحت اولیت کا مرتبہ رکھتے ہیں اور صحیح ہیں۔ اسی طرح سے علم النفس جس کی یہ سب علوم مذکورہ پیداوار ہیں۔

علوم طبعیہ۔ کے مسائل کلیتاً مشاہدے اور تجربے پر مبنی نہیں اُن میں علت و معلول کا سلسلہ اکثر و بیشتر قیاسی ہوتا ہے جو کثرت سے غلط ثابت ہوتا رہتا ہے ایسے مسائل جو قیاسات پر مبنی ہوتے ہیں اور مشاہدات کی مدد سے اُن قیاسات کو یقینیات کا

درجہ دیا گیا۔ سائنس کی اکثر قسمیں اسی طرح کے مسائل پر مبنی ہیں لیکن جہاں طبعیات میں حقائق پر بحث ہوتی ہے وہ بالکل قیاس ہی قیاس رہ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں وہ صحیح و یقینی مانے جاتے ہیں اور بہت تھوڑے عرصہ میں اُن کی غلطی تسلیم کرنا پڑتی ہے روزانہ نئی نئی تھیوریاں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں لہذا ہرگز اُن میں اس کی سکت نہیں کہ کسی الہامی تعلیم کو جھٹلا سکیں اس لیے کہ جھٹلانے والا آلہ اُن کے پاس مشکوک ہے۔

مثالاً۔ جب کسی شے کی حقیقت سے سوال کیا جاتا ہے تو سائنس بجائے حقیقت بتانے کے اُس شے کے صفات و خواص گنانے لگتی ہے اور حقیقت بیان کرنے میں بالکل عاجز ہے۔

(۱) جب سوال کیا جاوے عقل و نفس و روح کی ماہیت سے تو کبھی کوئی فلسفی تینوں کو ایک کہہ دیتا ہے۔ کوئی علیحدہ علیحدہ چیزیں بتانے لگتا ہے کوئی عقل و نفس کو ایک کہتا ہے عقل و روح کو جوہر کہتا ہے۔ کوئی عقل و نفس و روح کو مجسم کہتا ہے کوئی عقل و نفس و روح کو خدا بتانے لگتا ہے حالانکہ سائل کا سوال ان چیزوں سے متعلق نہیں وہ حقیقت و ماہیت سے سوال کر رہا ہے یہ عقل کے پتلے خود جانتے ہوں تو بتلا دیں بغیر جانے بوجھے پورے فلسفہ کی عمارت ایک نہ جانی شے پر کھڑی کر دیتے ہیں۔

(۲) اچھا جناب آکسیجن ہیڈروجن کاربن وغیرہ کی حقیقت کیا ہے اس کے جواب میں صفات اور خواص و آثار بتاتے ہیں حقیقت ذرہ برابر نہیں بتاتے وہ بسیط ہے عنصر ہے فلاں فلاں شے اس سے بنتی ہے یہ بدنصیب خود کس شے سے بنے کب بنے کتنی مقدار میں بنے ایک مرتبہ بنے یا برابر بنتے رہتے ہیں حقیقت ان کی کیا ہے۔ سائنٹسٹ صاحب جیب سانس نہیں لے سکتے وہ جاہل حقائق اشیاء کو کیا جانیں حقائق کا بیان حواس و مشاہدے کا کام نہیں ہے اور عقل مستفاد ان کی صرف قیاسات ہیں سائنس کا دارومدار صرف مشہود و محسوس پر ہے اور حقائق اشیاء نہ محسوس ہیں نہ معقول عالم بالحقائق ہی کا کام ہے کہ وہ اپنے عملیات و تجربیات کو حقیقت کے اساس پر قائم کرے طبعیات کا

دائرہ مجہول الماہیت اشیار کی بنیادوں پر قائم ہے۔

(۳) تمام محسوسات و مدرکات کا اساس اجسام مفردہ کی ترکیب پر ہی جوہر فرد کیا ہیں اجزائے لایتجزیٰ کا وجود کس عقلی دلیل سے ہے اجسام مفردہ اجزائے متناہیہ سے مرکب ہیں یا غیر متناہیہ سے قدیم ہیں یا حادث اگر قدیم سے ہیں تو کس نے دیکھا کب دیکھا محسوس و مدرک ہیں یا نہیں حادث ہیں تو عدم سے وجود میں کیسے آئے کون لایا یہ سب طبعیات جیتا نہیں ہیں اس لیے تمام فلاسفہ کا کسی ایک چیز پر اتفاق نہیں ہے کیونکہ ان کا آلہ تحقیق مشاہدہ و حواس ہے جھوٹ موٹ عقل کا نام لیتے ہیں جس کا نام عقلیات رکھا ہے وہ نتائج محسوسات و مشاہدات ہیں۔ اسی لیے ہر مسئلہ میں بھکی بھکی باتیں کرتے ہیں اور سب آپس میں مختلف ہیں حکمار کا مسلک ہی اجسام مفردہ میں بالفعل اجزار ممکن نہیں بالقوہ اور غیر متناہی ہیں متکلمین کا مذہب ہی اجسام مفردہ میں اجزا بالفعل متناہی ہیں اور ایسے اجزار ہیں جن کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

محمد شہرستانی کا مذہب ہی۔ اجسام مفردہ میں اجزار بالفعل نہیں ہیں بالقوت ہیں اور متناہی ہیں۔ نظام کا مسلک ہی کہ اجسام مفردہ میں بالفعل اجزار غیر متناہیہ ہیں جن کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ذیمقراطیس کہتا ہے کہ اجسام مفردہ اجسام صغیرہ قابل الانقسام سے مرکب ہیں۔

بعض کا قول۔ اجسام مفردہ بالفعل اجزار قابل الانقسام ہیں مگر وہ اجسام صغار نہیں بعض متکلمین کا قول۔ اجسام مفردہ سطوح سے مرکب ہیں اور سطوح خطوط سے یہ صرف جسم تعلیمی ہی نہیں جسم طبعی بھی ہیں۔

ہر ایک ان میں کا اپنے خیال کو یقینی اور دوسرے کو باطل قرار دیتا ہی اور سب کے دلائل محض وہمی و قیاسی ہیں جن کا نام اُنھوں نے عقلی رکھا ہی مشاہدہ تجربہ بھی کسی کی دلیل کا معاون نہیں ہے۔ خدائی معاملات میں یہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ عقل سے ثابت کرو ہم ان سے کہتے ہیں عقل کی حقیقت و ماہیت بتاؤ پھر ثبوت لو تو کھو جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں سمجھ میں آنے والی بات ہو اچھا تم اپنی دماغی تنجیری باتوں کو سمجھ میں

آنے والی بات بتا کر دکھاؤ جو اختلافات سے بری ہو تو کوئی نظریہ نہیں پیش کر سکتے۔
آج حکمائے یورپ کی جماعت اجزا ذیمقراطیس کو اصول قرار دے کر تخلیق عالم کی تھیوری پیش کر رہی ہے لیکن وہ بھی اسی طرح قوت واہمہ کی پیداوار ہے اس لیے کہ محسوسات کے سوا انھوں نے بھی معقولات کے دائرے میں پیر ہی نہیں رکھا ہے اور اپنے ابتدائی دور پیدائش کے اصول علمی کو اب بھی دہرا رہے ہیں منتہا یہ کہ سابق لوگ ابتدائی منزل میں تھے تمھارے سامنے مشاہدات وحیات کی ایک طویل فہرست موجود ہے جو ہزاروں سال سے مرتب ہو رہی ہے اس لیے تم پچھلوں سے تمدن وعلم میں ترقی یافتہ ہو اور علمی منازل ارتقائی پر ہو نقش اول محسوسات کا اب بھی نہیں چھوٹا ہے اور تمھارے جملہ علوم کا اساس اب تک محسوسات ہیں انھیں میں بحث وتحیص ہے علم کا کام ہے معقولات حقیقیہ جس میں حواس وادراک کو دخل نہ ہو اس میں اب تک تم نے ایک قدم بھی نہیں دھرا ہے۔ قیاسات منطقی کو دیکھو سب کا منبع ومبدا یہی محسوسات ہیں علم وادراک کو تم نے تصور تصدیق پر منقسم کیا ہے جو معلوم سے مجہول کی طرف رہبری کرے وہ تصور وتصدیق معلوم حقیقتاً ہے کیا وہ بھی محسوس ہی ہوتا ہے یا محسوس کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ حکما وفلاسفہ آج بھی اسی منزل میں ہیں محسوسات کی جس منزل میں اُن کے پیشرو تھے عقل جس چیز کا انھوں نے نام رکھا ہے وہ ان کی تھکن کی منزل ہے جہاں حواس وتجربے تھکتے ہیں وہاں عقل کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں یا ترتیب مشاہدات وتجربیات سے کاربرآری ہو جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ عقل کا یہی تقاضا تھا کہ ترتیب وتجربیات سے صحیح نتیجہ نکلے ہم تو عقل کا وجود جب مانیں کہ اُس کی حقیقت بتاؤ یا اس کے احکام اٹل ثابت کرو جس میں حواس کی طرح غلطی کا امکان نہ ہو عقل نام ہے نتائج تصورات کا تکرار مشاہدہ اور یکسانیت نتائج جس کو تمہید کہتے ہیں اسی کو تم عقل کہتے ہو اگر عقل نتائج تصورات ومشاہدات نہ ہوتی تو کیا وجہ ہے، بھٹ میں بھیڑیے کے پالا ہوا انسان جانور سے بدتر ہونا صاف اسکی یہی وجہ ہے کہ تصورات جو کثرت مشاہدات پر شامل ہیں وہ اس کو میسر نہیں ایک ہوشیار سیاح ایک مختلف علوم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والا گھر میں بیٹھے رہنے والے کتب کے

کم مطالعہ کرنے والے سے زائد ماہر کیوں ہوتے ہیں صرف اسی وجہ سے کہ ان کے مشاہدات سیاحت یا کتب بینی، بہ نسبت خانہ نشین وکم مطالعہ کتب والے سے زائد ہوتے اور تصورات کے بڑے ذخیرہ کے مالک ہوتے ہیں جو سیاحت ومطالعہ کتب سے حاصل ہوتا ہے بچوں کی مدریجی دماغی ترقی بھی اسی لیے ہی کہ دائرہ مشاہدات ومحسوسات ان کا جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اُتنے تصورات اُن کے زائد نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ پس عقل کی حقیقت اتنی ہی ہے اس سے زائد کچھ نہیں ہے۔ چونکہ قیاسات ووہمیات میں تم خود پھنسے ہو اس لیے نہ خود کسی شے کی حقیقت سمجھتے ہو، نہ دوسروں کو سمجھا سکتے ہو تمھاری لسانی دوسروں کو خاموش تو کردیتی ہے مگر تسکین نہیں کراسکتے۔ جس کی صرف دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ خالق کائنات کو نہیں مانتے اور نادیدہ عقل کو خدا بنائے ہوے ہیں، محض خدا کے نام سے ان کو دشمنی ہے حالانکہ عقل کو بھی باوجود مجہول الحقیقت وہی رتبہ دیتے ہیں جو خدا کے لیے مخصوص کئے ہوے ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن بتاتا ہے "وما اوتیتم من العلم الا قلیلا" انسان کو تو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہی لیکن تم بڑی بڑی ڈینگیں مارتے ہو اور دور از کار باتیں بناتے ہو تمھاری کم علمی کو جس کو قرآن ظاہر کر رہا ہی سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین انہ الحق عنقریب (تم اپنی اٹکل پچو فلسفی باتوں میں ہر زمانے میں اپنی غلط تھیوریوں کی غلطی خود دیکھتے رہوگے) دیکھوگے ہماری نشانیوں کو کائنات میں اور اپنے نفسوں میں اور تم پر ظاہر ہوجائیگا کہ وہی حق ہے (جو قدرت کا سکھایا پڑھایا ہے اور سب غلط ہی) قرآن کا یہ دعویٰ اپنی صداقت میں ایسا اٹل ہے کہ جس کا خلاف ممکن نہیں ہے۔ کھلا ثبوت یہ ہی کہ جن نظریوں کو تم اٹل اور غیر متغیر سمجھتے ہو مستقبل میں تم خود ان کو غلط ثابت کرتے ہو اب خود بتاو وہ نامعقول اور کم علمی کا بین ثبوت ہیں یا نہیں اور قرآن اپنے دعوے میں ماضی اور حال اور مستقبل میں ثابت کر رہا ہے یا نہیں کہ تم غلط کار محض اور کم علم ہو اور پچھلا یقین تمھارا صرف نظر فریبی تھی اور درحقیقت وہ پچھلے تصورات وتصدیقات بھی حقیقی تصورات نہ تھے ہماری تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ افکار اس سے زائد اور کسی چیز کی وضاحت نہیں کرتی کہ ذہنی تخلیق اسی نسبت سے بدلتی ہے جس نسبت سے مادی حالت بدلتی رہتی ہے

(کمیونسٹ مینوفسٹو) ظاہر ہے ذہنی تخلیق تابع مادی تبدیلی کے ہے اور خود مادہ بھی ذہنی اور تصوری چیز ہے عقلی نہیں ہے برکلے کا تو پورا فلسفہ ہی یہ ہے کہ ہر شئے ذہنی ہے۔ فلاسفہ جانتے ہیں کہ کارل مارکس کے پہلے تاریخ کے متعلق دو نظریہ تھے تصوراتی اور جبری۔ پہلے نظریہ سے یہ مراد ہے کہ تمام تاریخی حوادث انسان کے تصورات کے نتائج ہیں ان تصورات کی وجہ سے تاریخی حوادث پیدا ہوئے۔ مارکس اس نظریہ سے متعلق کہتا ہے کہ تصور اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ مادی دنیا کا ایک ذہنی عکس ہے (یعنی عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے) تاریخ کے جبری نظریہ سے یہ مراد ہے کہ انسانی تاریخ کے حوادث کا اسی صورت سے ہونا ضروری ہے جس صورت میں وہ رونما ہوچکے ہیں انسان میں یہ قوت نہیں ہے کہ وہ حوادث کی اس رفتار کو بدل کر جو ازل سے مقرر ہوچکی ہے اس نظریہ کو مارکس قبول نہیں کرتا لیکن دیگر فلاسفہ نے قبول کیا ہے۔ اس نظریہ کا ماحصل یہ ہے کہ تجربہ مشاہدہ استقرار سے یہی ثابت ہوا ہے عقل اس میں بھی کارفرما نہیں ہے مسلمان فلاسفہ کی عقلوں پر اور پتھر پڑے جنھوں نے عقول فلکی اور عقل فعال روح و نفس سب کی ماہیت رجما للغیب معلوم کرلی جو نہ خود سمجھے نہ دوسروں کو سمجھا سکے اور حدیث و قرآن کی تکذیب کرتے ہوئے بھی مسلمان ہیں خدا روح کو اپنا امر و حکم بتاتا ہے۔ یہ ماہیت روح کی بھی عقلی بتانے میں بے باک ہیں اور خاک نہ بتا سکے روح اعلیٰ اور روح عنصری اور روح حد روح الم غلم بے دلیل دعوے کرنے پر تل گئے کوئی روح و عقل کو ایک سمجھتا ہے کوئی روح و نفس کو ایک بتاتا ہے جس چیز کا علم نہیں اس پر عمارتیں کھڑی کی جارہی ہیں۔ خدا فرماتا ہے "ما اشھدتم خلق السموات والارض ولا خلق انفسھم" (کہف) آسمان زمین اور اپنے نفسوں تک کی تم کو خبر نہیں تجزیہ و تحلیل کے بعد بھی کسی جزو کی حقیقت نہ بتا سکے "ما یعلمھم الا قلیل" (کہف) تھوڑی معلومات بڑی بڑی ڈینگیں ہے عقلی نہیں تو اور کیا ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ محسوسات دوسرا نام اُن کا مادیات ہے لہذا فلاسفہ عالم کی ابتدا سے دوڑ دھوپ آج تک مادیات ہی میں رہی ہے مذہبیات اور الٰہیات کو بھی آفرینش عالم سے آج تک محسوسات و مادیات کے دائرے سے نہ نکالا کہنے کو تو سب کہتے ہیں الٰہیات

مابعد طبعیات ہیں لیکن سرسری نظر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے جو ماحول اپنا محسوسات و مادیات بنا رکھا تھا الہیات کو بھی اسی میں ڈھونڈتے رہتے ہیں اس لیے ہمہ تن وہ اسرار غیر منکشفہ معمہ اور چیستان بنے رہتے ہیں جو سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے لامحدود انسانوں کو یا تو ملحد و منکر الہیات بنا رہے ہیں یا نیم ملحد اس لئے کہ قدما یا فلاسفہ جدید نے جو علوم عقلیہ بنا رکھے ہیں خود اپنے تصنیف کردہ دائرہ محسوسات میں ہیں اور محسوسات میں معقولات کی سمائی نہیں ہو سکتی دونوں متبائن چیزیں ہیں اور محسوسات معقولات کا ظرف نہیں بن سکتا الہیات محسوسات نہیں ہیں جن کا بار محسوسات نہیں اُٹھا سکتے نہ حواس سے وہ سمجھے جا سکتے ہیں لہذا وہ ایمان بالغیب کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتے جس کو قرآن بار بار یومنون بالغیب کہکر انسان کو چونکاتا رہتا ہے کہ غیب دائرہ حس و مادیت سے بہت دور ہے ایمان لاؤ یا نہ لاؤ خدا کو تمھارا ایمان نہ مفید ہے نہ بے ایمانی مضر ہے نفع و ضرر ہے تو خود انسان کا۔ باوجود اس کے کہ الہیات علم بالغیب ہیں اُس تک رسائی کے لیے۔ قرآن مجید و احادیث کے جملہ ادلہ احساسی ہیں کیونکہ آفرینش انسان سے آج تک اور آج سے قیامت تک ہر شخص محسوسیت سے ایک انچ ہٹتے نظر نہیں آتے لہذا قرآن و احادیث کی تاکیدیں تعقل و تفکر کی سب اسی دائرے میں ہیں جو انسان نے بنا رکھا ہے اور جس کا نام خود انسان نے تدبر تفکر تعقل رکھ چھوڑا ہے اور اپنے ساختہ دائرے میں جو ہر وقت انسان ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے مذاہب انھیں ٹھوکروں سے بچاتے رہتے ہیں لہذا مذاہب کا اساس بھی ہمیشہ محسوسات پر رہا ہے ذیل کے جملہ مباحث اسی موضوع پر ہوں گے۔ تم الہیات کو سائنٹفک اصول پر جانچنا چاہتے ہو۔ اور ہم سے مطالبہ عقلی ثبوت کا ہے اور عقل نام رکھا ہے حواس کا جب ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میکانیات کو عقل سے ثابت کرو اس وقت فوراً تجربیات و مشاہدات ادھر لانے لگتے ہیں اور عقل و حس میں فرق نہیں کرتے اگر حواس نہ ہوتے تو کیا محسوسات بھی موجود نہ ہوتے غیر متمدن اقوام میں روح بھی ہے نفس بھی عقل بھی۔ پھر کیا وجہ ہے جو وہ ڈارون ہگل نہیں بن جاتے وجہ صرف ایک ہے کہ مشاہدہ اور حس ان کا کامل نہیں ہے دیکھتے سنتے سب کچھ ہیں لیکن اُس احساس و مشاہدہ کا بے علم ہونے کی وجہ سے تجربہ نہیں کرتے اگر محسوسات

نہ ہوتے تو خود بتاؤ اُس وقت تمھاری دنیا کیسی ہوتی اور تمھارے موجودہ تجربات کا وجود بھی ہوتا یا حواس خمسہ کے علاوہ دس بیس حواس بنا دیے جائیں اس وقت بھی تمہاری معلومات و تجربیات کا کیا یہی رنگ رہے گا؟ ہرگز نہیں صاف ثبوت ہے اس بات کا کہ جملہ علوم و تجربات کا انحصار ہے۔ حواس و مشاہدات پر عقل کو اس میں دخل نہیں ہے۔ ہم اگر معجزات کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ معجزات غیر اقوام کے مشاہدے میں آچکے ہیں معجزات بھی محسوسات و مشاہدات سے تعلق رکھتے ہیں عقلی ثبوت کا مطالبہ غلط ہے تو کسی طرح نہیں مانتے اور کہتے ہو معجزہ اگر محسوس و مشاہد ہے تو حس و مشاہدے سے ثابت کرو اس کے جواب میں اگر ہم مطالبہ کریں کہ میکانیات، کو طبیب ٹیلر ماسٹر فلاح سے ثابت کرا دو اس وقت احمق بناتے ہو اور کہتے ہو کہ غیر متعلق شخص اور جو ماہر فن نہیں ہے اس سے مطالبہ غلط ہے ماہر میکانیات کے پاس چلو اور دیکھ کر حماقت کا اقرار کرو لیکن اسی حماقت کو خود دہراتے ہیں جب غیر معجز نما سے معجزے کا ثبوت طلب کرتے ہیں معجزہ تو معجز نما ہی جانتا ہے۔ جب ہم حس و مشاہدے سے معجزہ نہیں ثابت کر سکتے تو معجزہ سے انکار کر دیتے ہیں یہ فقط اس لیے کہ ہم معجز نما کو پیش نہیں کر سکتے۔ واقعات ماضیہ کو تاریخ سے ثابت کرتے ہیں اور ان دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ہماری مذہبی تاریخ کے ثبوت کو نہیں مانتے اگر پرستار مذہب، مورخ خائن ہوتا ہے تو پرستار مادہ و دہر جو اس بھی خیانت سے واقعہ نویسی کر سکتا ہے

ہم فلسفۃ الاسلام کے تمام علوم کو مسلمات فلاسفہ کے اور انھیں کے تجربیات و مشاہدات کے تحت میں بیان کرینگے جس کا ہرگز یہ مطلب نہ ہوگا کہ فی الواقع فلسفہ الاسلام کی یہی حقیقت ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں فلسفہ اسلام فلاسفہ اسلام اور فلسفہ یورپ وغیرہ کی دوانچی عقل سے بہت بلند ہے یہ طریقہ ہم نے فلسفہ اسلام کی تدوین میں اس لیے اختیار کیا ہے کہ حواس و مشاہدے کے بندے اپنے ہی تجربوں اور مشاہدوں کے معیار پر اسلام کی جزئیات کو جانچ کر دیکھ لیں، انشاء اللہ نکتہ چینی کا ان کو ذرہ بھر موقع نہ ملے گا اس کے بعد اسرار غیر منکشفہ اور حقائق اسلامی پر یومنون بالغیب کی طرح ایمان لادیں جس طرح سے اپنی فلسفی تھیوریوں پر اس وقت بے چون و چرا ایمان رکھتے ہیں اس وقت تک جبتک اس کی غلطی ثابت نہیں ہوتی۔

(۲)

عقل اور علم

عقل کیا ہے قدیم فلاسفہ اور جدید فلاسفہ آج تک نہ بتا سکے کہ عقل ہے کیا۔ قدما نے ایک عقل کی دس عقلیں بنا ڈالیں اور ان کو خالق کائنات بنا ڈالا۔ کسی نے جوہر کہدیا۔ کسی نے عقل و روح کو ایک سمجھ لیا۔ کسی نے عقل اور نفس کو ایک بنایا۔ ذرا ان سب کی دلیلوں کو ایک ایک کرکے دیکھ ڈالو۔ بجز تک بندی اور کچھ بھی نہیں ہے۔ سمجھداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو بات سمجھ میں نہ آتی بجائے تک بندی اس کو آئندہ کی تحقیق کے واسطے چھوڑ دیتے ایسا نہ کیا اور اوٹ پٹانگ ایک بات کہکر پوری عمارت کھڑی کرکے آئندہ نسلوں کو گمراہ کر دیا۔ یہ فلسفہ کی خدمت نہ تھی بلکہ تباہ کاری تھی۔ فلسفہ کی صحیح خدمت تو یہی تھی کہ قیاسات و توہمات پر عمارت نہ کھڑی کی جاتی اور جو بات سمجھ میں نہ آتی اس کو خاموشی سے چھوڑ جاتے، اس لیے کہ جب سائنس حقائق اشیائے جاہل ہے اور محسوسات و مادیات تک کی ماہیت نہیں بتا سکتی تو کیا حق ہے کہ غیر محسوس اور غیر مادی شے کی حقیقت بتائے بغیر فرضی عمارت کھڑی کر دینے کے۔ دیکھو اسلام کی حق پسندی کو جس نے روح کی حقیقت میں کوئی گفتگو نہ کی اور حکم رب کہکر سکوت کیا۔ (الروح من امر ربی) اسی طرح سے عقل کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے صاف فرمادیا (ما کلم رسول اللہ العباد بکنہ عقلہ قط (کافی) رسول خدا نے بندوں کی عقل کے متعلق کبھی کوئی کلام نہیں فرمایا یعنی حقیقت عقل انسانی پر کبھی گفتگو نہیں فرمائی۔ لہذا کم از کم مسلمانوں کو تو عقل پر گفتگو و بحث سے پرہیز چاہیئے تھا۔

احادیث میں کثرت سے ایسی روایتیں ملیں گی جن میں عقل اور علم کو ایک قرار دیا ہے اور عقل کو مستقل ایک شئے یا علم کو مستقل دوسری شے نہیں بتایا ہے۔ بلکہ عقل اور علم ایک ہی چیز ہے دیکھو ذیل کے احادیث کو جنمیں عقل کی ضد جہل کو قرار دیا ہے حمق سفاہت بلہ وغیرہ نہیں کہا ہے۔

(۱) حسن بن جہم کی روایت امام رضاؑ نے فرمایا ہر شخص کا دوست اس کی عقل ہے اور

اُس کا دشمن جہل ہے۔ (کافی)

(۲) رسول خدا نے فرمایا خدا نے بندوں کو سب سے بہتر جو چیز عطا کی وہ عقل ہے عاقل کا سونا افضل ہی جاہل کے جاگنے سے اور عاقل کا قیام افضل ہے جاہل کے سکوت سے خدا نے کسی نبی یا رسول کو نہیں بھیجا جب تک اُس کی عقل کو کامل نہ کر لیا عقول انبیاء و مرسلین اُنکی اُمتوں سے افضل ہوتی تھی الحدیث (کافی)

(۳) رسول خدا نے فرمایا یا علی جہل سے زاید شدید تر کوئی فقر نہیں اور عقل سے زاید کوئی مالدار نہیں (کافی)

(۴) امام جعفر صادقؑ نے مفضل سے فرمایا کسی کو رستگاری نہیں ہو سکتی جب تک عقل نہ ہو اور جس کو علم نہیں وہ عاقل نہیں ہو سکتا (کافی)

(۵) دوستوں کی صحبت میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تم کو چاہیئے عقل اور اُس کے لشکر کو پہچانو اور جہل اور اس کے لشکر کو جانو۔ حدیث (کافی)

(۶) امام جعفر صادقؑ نے ہشام سے قرآن مجید کی اُن آیات کا ذکر فرماتے ہوئے جنہیں عقل کا ذکر آیا ہی فرمایا عقل بغیر علم نہیں ہوتی خدا فرماتا ہی وتلک الامثال نضربھا للناس وما یعقلھا الا العالمون، (کافی) قرآن میں خدا نے جو مثالیں لوگوں کے لیے دی ہیں اُن کو بجز عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا

مذکورہ احادیث سے واضح ہوا کہ علم اور عقل ایک شئے ہیں علم کی ضد جس طرح سے جہل ہی اسی طرح سے عقل کی ضد بھی جہل ہے۔

قرآن مجید بھی عقل اور علم کو مترادف قرار دیتا ہی جہاں قرآن میں آیا ہے "ولکن اکثرھم لا یعلمون" وہیں ارشاد ہوتا ہی "واکثرھم لا یعقلون" اس سے زاید واضح قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جنہیں غلط محسوسات کو یعنی وہ لوگ جو حواس ظاہری سے غلط نتائج نکالتے ہیں غیر معقول کہا گیا ہی یعنی عقل ضد ہے اُن احساسات کی جو غیر صحیح ہیں مثلاً قرآن مجید میں ہے صم بکم عمی فھم لا یعقلون" یہ گونگے بہرے اندھے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے، جس کا یہ مطلب ہوا کہ عقل صحیح نام ہے حواس صحیحہ کا اس کے سوا عقل کچھ بھی نہیں ہے۔

ومنهم من يستمع اليك افانت تسمع الصم ولو
،، ام تحسب ان اکثرهم یسمعون او یعقلون ان هم الا کالانعام بل هم
اضل سبیلا،، تم سمجھتے ہو کہ اکثر لوگ (بظاہر) سنتے ہیں یا عقلمند ہیں حالانکہ وہ مثل چوپاؤں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی گم کردہ راہ ہیں۔ یعنی اُن کے ظاہری حواس اور اُن کے عقلی نتائج چوپایوں کے سے ہیں۔

مذکورہ آیات و اخبار سے واضح ہوا کہ عقل کوئی شے نہیں محض حواس صحیحہ کے نتائج کا نام ہے۔ گذشتہ آرٹکل میں بیان کیا گیا تھا کہ علم مشاہدات و محسوسات سے حاصل ہوتا ہے اس آرٹکل سے معلوم ہوا کہ علم و عقل ایک شے ہے لہذا یہ نتیجہ ہوا کہ عقل کا انحصار بھی محسوسات و مشاہدات پر ہے اس لیے کہ عقل و علم ایک شے ہے اسی لیے حدیث میں ہے رسول خدا نے فرمایا کہ "ہم گروہ انبیاء کو خدا کا حکم ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کیا کریں (کافی) یعنی جتنا جس کو علم ہو اور جتنا جس کے حواس کام کرتے ہوں اُسی کے مطابق اُن سے گفتگو کی جاوے علم النفس کا یہ ایک بہترین کلیہ ہے۔ اسی لیے قرآن مجید اور احادیث انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے بیانات صاف و سادہ محسوسات و مشاہدات عام کی بنا پر ہوا کرتے ہیں فیثاغورثی و بطلیموثی چیستانیں نہ تھیں۔ لہذا جن حدیثوں میں محض عقل کا ذکر ہے اُس سے مراد علم ہے۔ اور جن حدیثوں میں عقل اور علم کو علحدہ علحدہ بتایا گیا ہے اُن حدیثوں کی سند اگر درست ہے تو اُن میں تاویل کی جاوے گی۔

﴿۱۳﴾

علم انسانی

اب یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ علم انسان کو کیونکر آیا کب آیا۔ جرمنی کے حکیم "کنیٹ" نے کہا ہے کہ فطرت انسان میں علم اولیات کا کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا جو خلقی و جبلی ہے۔ یہ مسئلہ اعلیٰ طبقوں میں عرصہ تک زیر بحث رہا اور اکثر لوگ اس کے مؤید ہو گئے۔ لیکن بعض واقعات اسکے خلاف میں کہے گئے ہیں۔

(۱) سکندر اعظم نے اس دریافت کے لیے کہ کیا انسان کو کوئی پیدائشی علم ہے۔ ایک نوزائیدہ بچہ کو آٹھ سال تک کوٹھری میں بند رکھا غذا دینے والوں کو تاکید کی کہ کوئی اشارہ یا بات چیت بچہ سے نہ کریں جب آٹھ سال بعد بچہ سکندر کے حضور لایا گیا تو کوئی بات نہ سمجھتا تھا نہ کوئی اشارہ کرتا تھا نہ کھڑے ہو کر چل سکتا تھا۔

(۲) اسی تجربہ کو جلال الدین اکبر نے یوں دُہرایا کہ ایک بچہ کو کوؤں کے ساتھ تاریک کمرے میں بند کیا جب یہ اکبر کے روبرو پیش ہوا تو کوؤں کی بولی بولتا تھا اور اُنہی کے سے حرکات کرتا تھا۔

(۳) ۱۸۵۳ء میں کلکتہ میں ایک جنگلی آدمی لایا گیا جو چوپاؤں کے مانند چلتا تھا جسم پر بندر کے سے بال تھے ایک عالم نے اس کی تعلیم کی جس سے وہ بی۔اے میں کامیاب ہوا مذکورہ واقعات بتاتے ہیں کہ جو کچھ علم ہوتا ہے وہ بعد ولادت ہوتا ہے اور اس لیے "کینٹ" کا نظریہ باطل سمجھا جاتا ہے۔

غور سے دیکھو تو معلوم ہو ہر قوت معطل کر دینے سے فنا ہو جاتی ہے۔ ہندومت کے مرتاض ہاتھ پیر سے کام نہ لیکر خشک کر دیتے تھے یہی بعینہ قوائے دماغیہ کی حالت تھی مذکورہ واقعات بتاتے ہیں کہ قوائے دماغیہ اور قوت متفکرہ مشاہدات ومحسوسات کی معطل کر دی گئی جس کی مشق وعادت کے لیے اور قوت ذاکرہ کے بڑھانے کے واسطے بار بار محسوسات عالم کے مشاہدے کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے عادات وحرکات کا سیکھنا بچے کے لیے اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ علوم اوّلیہ اس کے ذہنی یادداشت میں موجود ہوتی ہیں جن کو دُہرانے سے عادت واطوار اپنے مربیوں کے سیکھنے لگتا ہے اگر علوم اوّلیہ انسان کی فطرت میں نہ ہوتے اور آئینہ ذہن میں ان کا ارتسام ونقش نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے مربیوں کی نقل نہ کر سکتا یہ بھی نہ سمجھتا کہ اس کے مربی کیا کر رہے ہیں۔ لہٰذا "کینٹ" کا نظریہ ناقابل انکار ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے بہت سہولت سے اس مشکل کو حل فرمایا ہے۔

رأیت العقل عقلین فمطبوع ومسموع ولا ینفع مسموع اذا لم یک مطبوع کما لا ینفع الشمس وضوء العلم ممنوع (کافی) عقلیں دو ہیں ایک طبعی دوسری سمعی۔ سمعی

کا کچھ نفع نہیں جب تک طبعی نہ ہو جس طرح سے سورج کا کوئی نفع نہیں ہے جب تک علم کی چمک نہ ہو۔ عقل طبعی یعنی علم طبعی نہ ہو تو رٹا یا ہوا علم کچھ نفع نہیں دے سکتا جانور کا جانور ہی رہے گا اس لیے کہ نفس جو ظرف علوم طبعیہ کا ہے وہ اکتسابی علوم کا ظرف نہیں بن سکتا جس پر تجربہ شاہد ہے حکما و فلاسفہ انبیاء و مرسلین کے تعلیمات سے کتنے تھے جو متاثر ہوئے بجز چند افراد کے بقیہ کورے کے کورے رہے جس طرح سے سورج کی روشنی ایک مسلوب الحس وبے علم کے لیے نفع بخش نہیں ہے علوم کائنات جو طبعی و فطری ہیں وہ تعلیم و مشاہدے اور تجربوں سے پیدا ہونے کے بعد یاد آتے رہتے ہیں۔ قوت ذاکرہ اُن علوم فطریہ کی مدد سے حس و مشاہدہ کی تصویروں اور نقشوں کو دیکھ کر یاد تازہ کرتی رہتی ہے اس لیے تعلیم کا بھی اثر ہوتا ہے اگر سرے سے علم طبعی مفقود ہوتا تو تعلیم بھی بے تاثیر ہوتی مثال کے طور پر سمجھو اقلیدس خوب رٹا دو اُس کے بعد اس کو شکلیں دکھاؤ جس وقت وہ طالب علم شکلیں دیکھے گا اس کو فوری رٹا ہوا اقلیدس کا سبق یاد آجائے گا اور اس شکل پر منطبق کرے گا۔ اسی طرح ہر انسان علوم طبعیہ کو مشاہدہ و حواس محسوسات کے بعد اُس شے محسوس پر منطبق کر لیتا ہے اور علم طبعی کے نقوش ابھر کر یاد تازہ کر دیتے ہیں علوم اولیہ اگر فطرت انسانی میں نہیں ہیں تو سکندر اور جلال الدین اکبر کے تجربات بتاتے ہیں کہ عقل کا بھی وجود نہیں ہے اگر عقل ہوتی تو تجربات و مشاہدات کی کیا ضرورت تھی تعلیم خارجی کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ معلم اپنے محسوسات و مشاہدات کو طالب علم کے سامنے دہراتا ہے اور قوت تقلید متعلم کی کام کرتی اور علوم فطریہ تقوی یا فجوری کو یاد دلاتی ہے۔ لہذا سکندر اعظم و اکبر کے تجربات اسی لئے ناکام رہے دونوں نے علوم طبعیہ فطریہ کے ظہور کا دروازہ مشاہدات و محسوسات کو روک کر بند کر دیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ علوم بعد ولادت پیدا ہوتے ہیں غلط ہو گیا انسان کے علوم فطریہ جن پر ہم کسی وقت فلسفہ الاسلام سائیکالوجی میں بحث کرینگے اُن کے وجود سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اور وہ بقول حضرت امیر المومنینؑ غیر مسموع ہوتے ہیں رحم مادر سے لیکر نکلتے ہی اُن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کیا کہنا اُس حکیم حکمت الٰہیہ کا کیا اچھی مثال دی ہے ضوء علم نہ ہو تو آفتاب کا کیا فائدہ۔ اہل علم خواص کیمیاوی و طبعی

سے آفتاب کے جو منافع حاصل کرتے رہتے ہیں خود بتاؤ جہال کو ان سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور ایک مسلوب الحواس کو تو اتنا بھی فائدہ نہیں ہوتا جتنا جاہل علم کیمیا و علم طبعیہ کو ہوتا ہے۔ لیکن آفتاب پھر بھی کائنات پر اثر طبعی و کیمیاوی سے متاثر و فیضیاب کرتا ہے لیکن اگر آفتاب کے فیوض طبعیہ و کیمیاویہ کو سلب کر لیا جاوے تو کائنات اُن خواص سے محروم ہو جاوے اسی طرح سے اگر علوم طبعیہ کا وجود نہ رہے تو علوم کسبیہ تعلیم و تعلم محال و ناممکن ہو جاویگا لہذا علوم فطریہ و طبعیہ کا خلقت انسان میں وجود ماننا ضروری و لازمی ہے۔

فلسفہ اسلام میں بہت صراحت سے بتایا ہے کہ علم انسان بلکہ حیوان میں فطرتاً موجود ہے بلکہ ہم دعوے کرسکتے ہیں کہ علم جزئیات بھی انسان کی جبلت و خلقت میں ہے جس کو پیدا ہوتے ہی عالم میں مشاہدے کے بعد یاد کرتا رہتا ہے اور جس قدر انسان کو سابقہ ان جزئیات کا ہوتا رہتا ہے فطرت کو اپنے علوم جبلی یاد آتے رہتے ہیں اور بار بار تکرار عمل سے وہ مشاق و تجربہ کار ہو جاتا ہے۔ اگر علم بالجزئیات نہ ہوتا تو دنیا میں آکر کائنات کے مشاہدے سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوتا اور سیکھنے اور نقل اُتارنے کی بھی صفت انسان میں نہ ہوتی سوال ہوتا ہے۔ انسان میں سیکھنے اور نقل اُتارنے کی صفت کہاں سے آئی۔

جواب فلسفہ اسلام کی طرف سے بالکل سادہ ہے کہ یہ صفت فطرت میں ہے اسی کو قرآن مجید نے بار بار بتایا ہے۔

(۱) "علم الانسان ما لم یعلم" انسان کو جن چیزوں کا علم نہ تھا وہ بتا دیا گیا کیا پیدائش کے بعد۔ ہرگز نہیں؟ یہ سلسلہ تعلیم و تعلم جب ہی قائم ہو گیا تھا جس وقت خدا اور بندے کے مابین قوی رابطہ تھا (یعنی عالم ارواح)

(۲) "وعلم آدم الاسماء کلہا" اور آدم کو موجودات عالم کے نام بتا دیے گئے یہ وہی علوم و تجربیات ہیں جو انسانی ہستی کے لیے لازم تھے۔ پہلا انسان جو اصل انسان تھا اُسی کی حالت کو بیان کرکے تمام نسل انسانی کی کیفیت تعلم کو بتایا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ آیت بنی آدم کو شامل نہیں ہے۔ حضرت آدم ہی کی یہ خصوصیت ہے۔ یہ شبہہ ملائکہ اور خدا کے سوال و جواب سے حل ہو جاتا ہے "انی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوا اتجعل فیہا

من یسفک الدماء ونحن نقدس لک" خدا نے ملائکہ سے فرمایا ہم زمین پر خلیفہ بنانے والے ہیں ملائکہ بول اُٹھے کیا ایسا خلیفہ ہوگا جو زمین پر خونریزی کرے اور ہم تو تیری تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک واحد ہستی (حضرت آدم) دنیا میں خونریزی کس کی کرتی لہذا بنی آدم ہی مراد ہوں گے اور ذکر جناب آدم کر کے ان کی نسل کا ذکر ہے نقدس لک کا جواب وعلم آدم الاسماء کے ساتھ دے کر بنی آدم کو ملائکہ پر فضیلت دے کر چپ کر دیا گیا۔ اُس وقت بجز حضرت آدم بنی آدم کب تھے جن کا ذکر کیا جاتا۔ ثم عرض علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھولاء" حضرت آدم کو وہ نام بتا کر ملائکہ سے خطاب ہوا اچھا اب وہ سب نام بتاؤ جو آدم کو بتائے گئے۔ اگر یہ تعلیم ذات حضرت آدم سے مخصوص ہوتی، تو ملائکہ کا جواب نہ ہوتا ایک شخص کی اہلیت تمام اُس کی ذریت کی قابلیت کا باعث نہیں ہوسکتی۔ ملائکہ کو اطمینان خونریزی سے تمام بنی آدم کی حالت سے کرایا گیا ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ تمام بنی آدم میں یہ صفت نہ تھی کہ وہ خونریزی نہ کریں گے عالم میں انھیں حضرت انسان نے جو خونریزیاں کیں وہ تاریخ سے مخفی نہیں ہیں۔ لہذا ملائکہ سے یہ وعدہ حضرت آدم ہی کی ذات تک محدود رہے گا۔

ذرا غور تو کرو خدا نے نفی خونریزی کا وعدہ ملائکہ سے کن الفاظ میں فرمایا ہے علم ادم الاسماء کلھا"، مطلب یہ ہے کہ حسن و قبح اشیا بتا کر فطرت کو اچھی بُری باتیں بتا دی گئیں ہیں انسان کو بے علم نہیں رکھا ہے یہی ایک ضروری چیز تھی اگر انسان نے اپنی فطرت کی نافرمانی کی خود بھگتے گا۔ خدا کی حجت تمام ہو جاوے گی اگر فطرت لاعلم وجاہل رکھی جاتی اس وقت ملائکہ کو خدا پر اعتراض کا حق تھا۔ اسی لیے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے۔ "وہ بندوں پر خدا کی حجت نبی ہوتا ہے اور خدا اور بندوں کے درمیان حجت عقل (علم) ہے (کافی) دوسری حدیث میں امام جعفر صادقؑ نے ہشام سے فرمایا "خدا نے بندوں پر دو حجتیں قرار دی ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی حجۃ ظاہری رسل و انبیا و ائمہ ہیں اور حجۃ باطنی عقل (علم) ہے (کافی) دونوں حدیثوں کا مطلب ظاہر ہے کہ علم باطنی حجۃ خدا

اُسی طرح جس طرح سے حجت ظاہری۔ نبی و رسول و ائمہ نہ بھیجے جاتے تو لوگوں کو درگاہ باری میں عذر کا موقع تھا اُسی طرح سے علم فطری نہ دیا جاتا تب بھی خدا پر اعتراض نہ ہو سکتا تھا اب خدا کی دونوں حجتیں تمام ہو چکیں اور انسان کو کوئی عذر کا موقع باقی نہیں ہے

(۳) سُبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم "تو ہی لائق تسبیح ہے ہم کو اتنا ہی علم ہے جو تو نے بتا دیا تو ہی ایسا سکھانے والا ہے جو بڑا علم رکھنے والا حکیم ہے۔ ملائکہ بھی اُس علم کے سوا کچھ نہیں جانتے جو خدا کا بتایا ہوا ہے جملہ علوم کا مبدا ملک ہو یا انسان علم الٰہی ہے ملک بغیر تعلیم الٰہی جاہل رہتے اسی طرح سے اشرف المخلوقات انسان بھی جاہل رہتا تمام علوم پیدائش کے بعد محض انسانی قابلیت سے کیونکر اور کہاں سے حاصل ہوتے ہیں اگر خدا کی تعلیم کا اثر نہ ہوتا علم جو کہ انسان کی بقا و ہستی کا آلہ ہے اور دنیاوی وجود کے لیے ایک اہم شے ہے اس میں خدا سے استغنا حالانکہ جزئیات تک میں ہر مخلوق اپنے خالق کی محتاج نظر آتی ہے یہ عقل سے باہر بات ہے یہی وجہ ہے کہ سائنس کی کمال ترقی میں بھی ہزاروں باتیں اسرار غیر منکشفہ ہیں ایسی باتوں کا وجود بتاتا ہے کہ انسان کو بھی صرف اتنا ہی علم ہے جو خدا نے بتایا ہے باقی پر انسان کو دسترس نہیں ہے

(۴) ونفس وما سویٰھا فالھمھا فجورھا وتقویٰھا "قسم نفس کی اور اُس چیز کی جس نے نفس ایسی (اہم شے) کو بنایا پھر نفس کو بتا دیا اُس کی بدی شرارتوں اور پرہیزگاری کی باتوں کو۔ خلقت نفس کے بعد ہی اچھی بُری باتیں اُس کو بتائی گئیں۔ ہر چند کہ ان کا مصرف انسانی کارکردگی اور عمل پر موقوف ہے اور اپنے ہی اعضا کی قوت و ضعف و استعداد و قابلیت پر جس سے تدریجی عمل ہوتے ہیں میکانیکی جتنی ایجادیں آج تک ہوئیں یا آئندہ ہوں گی سب کا علم انسان کو بعد خلقت ہی تھا جو لوگ اُن کے عمل پر مستعد ہوئے حسب استعداد و قابلیت وہ ایجادیں ہوتی رہیں۔ یہاں مطلق نفس کا ذکر ہے جس میں انسان و حیوان دونوں شامل ہیں۔ علم الحیوان کے جاننے والے نہایت الحیوان پر صدق دل سے غور کریں اور کلام الٰہی سے لُطف اٹھائیں۔ مکڑی کا جال بنانا۔ اور حیوانات کو پھانسنا۔ شہد کی مکھی کا چھتہ ہندسیہ اشکال پر۔ ریشم کے کیڑے کا ریشم بنانا وغیرہ وغیرہ یہ سب علم طبعی کے کرشمے ہیں وہاں کون سا

معلّم خارجی ہے بجز جبلت و فطرت حیوانی کے یہی حالت انسان کے علم کی ہے فرق درجات کا ہے۔ خدا کو اگر حکیم مانتے ہو اور حکیم کا کوئی فعل عبث نہیں ہوتا تو اقرار کرنا ہوگا کہ نفس کو پیدا کرنے کے بعد الہام کی ضرورت کیا تھی اور اس کا مصرف پیدائش اور خلقت کے بعد کچھ بتایا نہیں اگر وجود انسانی کے وقت اور زندگی کے ہر شعبہ میں اُس کا مصرف کچھ نہ تھا تو یہ الہام عبث و بے سود ہوگا اور اگر اس کا مصرف زندگی کے ہر شعبے میں رہا تو بعد اُس الہام کے کسی علم کی ضرورت نہیں رہتی تعلیم و تربیت و تدریس بقدر اپنے احساس و مشاہدات کے دوسروں کے واسطے مذکر فطرت ہی ہوں گے اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا فلسفی تھیوریاں اور تجربے ایک دو روز کے نہیں ہوتے سائیکالوجی میں ثابت ہوا ہے کہ ہزاروں سال کے تجربوں اور مشاہدوں کی ترتیب کا وہ نتیجہ ہوتے ہیں۔

ہمارے بیان کی تائید موجدین و مخترعین کی عمر سے بھی ہوتی ہے۔ اگر علوم فطرت انسانی میں نہ ہوتے اور علوم کسبیہ اس کا ماخذ ہوتے تو لازم تھا کہ زائد عمر اور سن رسیدگی میں تجربہ پختہ ہوتا اور مہارت تام ہوتی اور آخر عمر میں ایجادی قوت آتی۔ حالانکہ اس کا عکس ہے بلند پایہ ایجادوں کے وقت موجدین کی عمر اندازاً اکثر ۲۱ سے ۳۷ سال تک ہے جس کو ہم ذیل میں مشہور موجدوں اور ایجادوں کو بیان کرینگے۔ یہ امر کافی دلیل ہے اس بات کی کہ علوم فطرت انسان میں ہیں اور انسانی دماغ کے قوائے اختراعی زوروں کے ساتھ اسی وقت تک کام کرتے ہیں جب تک نقش اول دماغ میں رہتا ہے جس کی آخری تاریخ ۳۷ سال کی عمر اغلباً ہے اور قوت تعلم و اکتساب بھی تابع اسی علم فطری کا ہے۔ اگر تابع نہ ہوتا تو زائد عمر میں تعلّم و اکتساب کی قوت بھی زائد ہوتی ہے اور یہی ایک صاف و سادہ بات ہے جب تک ہم کو ایک سادہ جواب ملتا رہے اُس وقت تک خواہ نخواہ پیچیدہ اور مغلق باتوں کی تلاش نادانی ہے۔ اسی طرح سے شعر شاعری ناول نویسی اور تخئیل کے بعد ان چیزوں میں قدم مارنے والوں کا دماغ شباب میں غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے آثار دکھاتا ہے اور بڑے بڑے بہادر آدمی اور دنیا کی طبعی کایا پلٹنے والے بادشاہ اور فوجوں کے جنرل عنفوان شباب ہی میں اپنے جوہر دکھلاتے ہیں۔ مشہور جرمن شاعر "گئٹے" آٹھ سال کی عمر میں تقریباً سات

زبانوں کا ماہر تھا۔ "ملٹن" نے اپنی مشہور نظم کو ۲۶ سال عمر میں لکھا۔ شکسپیر نے اپنے ڈراموں کا سلسلہ ۳۰ سال کی عمر میں شروع کر دیا تھا۔ اسکندر اعظم ۲۵ سال کی عمر میں دنیا کا فاتح بن گیا تھا۔ نپولین بونا پارٹ ۲۷ سال کی عمر میں سب سے بڑا فوجی افسر تسلیم کیا جا چکا۔ اب مشہور ایجادوں کی تاریخ دیکھو۔

نمبر شمار	ایجاد کا نام	موجد کا نام اور ملک	موجد کی عمر	سنہ ایجاد
۱	بلا تار برقی خبر رسانی	مارکونی اٹلی	۲۱ سال	۱۸۹۶
۲	سلائی کی مشین	ہوکر انگلستان	۲۶ سال	۱۸۴۵
۳	روئی کا بیج	وٹنی انگلستان	۲۷ سال	۱۷۹۲
۴	برقی آرک	ڈیوی انگلستان	۲۷ سال	۱۸۰۵
۵	برقی آرک لیمپ	برش انگلستان	۲۷ سال	۱۸۷۶
۶	کٹسن گیس لیمپ کی جالی دار ٹوپی	ویلسباخ جرمنی	۲۷ سال	۱۸۸۵
۷	حیوانی مرکبات کی مصنوعی ترکیب	وہلر فرانس	۲۸ سال	۱۸۲۸
۸	دخانی انجن	واٹ انگلستان	۲۹ سال	۱۷۶۵
۹	ٹیلیفون	بیل امریکہ	۲۹ سال	۱۸۷۶
۱۰	فونوگراف	اڈیسن امریکہ	۳۰ سال	۱۸۷۷
۱۱	اپ تھلما سکوپ	ہیلمہنز جرمنی	۳۰ سال	۱۸۵۵
۱۲	برقی چراغ	اڈیسن امریکہ	۳۲ سال	۱۸۷۹
۱۳	ڈائنا مائٹ	نوبل سوئڈن	۳۴ سال	۱۸۶۷
۱۴	آیرو پلین	رائٹ انگلستان	۳۴ سال	۱۹۰۵
۱۵	سیفٹی لیمپ	ڈیوی انگلستان	۳۷ سال	۱۸۱۵

مذکورہ بیان سے یہ سمجھنا چاہیے کہ بڑھاپا بالعموم ایجاد کی قوت کو کھو دیتا ہے۔ بعض ایجادیں زائد عمر میں ہوئی ہیں۔ لیکن اغلب ایسا نہیں ہوتا ہے۔ تاریخ ایجاد بتاتی ہے کہ اسی عمر میں نقش اولی کی یاد تازہ رہتی ہے جو زائد عمر آنے پر مٹتی جاتی ہے۔ علم کسبی ماحول

کے اثرات کی ملاوٹ۔ اگر یہ صحیح نہیں ہے تو بے شک ایجاد کی عمر زائد ہونی چاہیئے۔ اگر علوم فطری نہیں ہیں یا سیکھنے سکھانے سے آتے ہیں تو پھر کسی قوم اور کسی ملک میں جدید تحریک کا ہونا اور نئی تخئیل کا ہونا محال ہے ملک و ملت کی مخالفت و انقلابی تحریکیں ان کی خارجی علت مفقود ہوتی ہے پھر موجدان مذہب و مخترعان فلسفہ کو اپنے ماحول کے خلاف نئے جذبات کدھر سے داخل ہوتے ہیں۔ ہادیان دین و مصلحان قوم میں ایسی نظیریں ملیں گی جو قوم کی قدامت پسندی کے خلاف برابر کھڑے ہوتے رہے پھر بتاؤ یہ نئے خیالات اُن میں کہاں سے پیدا ہوئے بے شک یہ وہی علوم فطریہ ہیں جن کا ظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔ جو الہام یا وحی کہلاتا ہے۔

وہ زمانہ جس میں فطرت انسان میں علم رکھا گیا اُس کو بھی فلسفہ اسلام نے بتایا ہے نام اُس کا۔ "یوم الست"، "عالم ذر"، "عہد و میثاق"، ہے جب یہ ثابت ہوا کہ فطرت و جبلت حیوانی میں علوم رکھے گئے ہیں اُسکے لیے زمان و مکان لازم ہے اُسی زمان و مکان کے یہ نام ہیں۔ یہ سائنس کا کوئی لاینحل نظریہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے "واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی شھدنا" جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت در پشت سے ذرّیت کو جمع کیا اور اُن کے نفوس پر گواہ کیا (جو مخلوقیت کی وجہ سے اپنے خالق کی دلیل تھیں) کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں سب پکار اُٹھے بے شک ہم اور ہمارا طرز خلقت تیرے رب ہونے کا شاہد (قوی) ہے اُن علوم ضروریہ کے ساتھ علم ربوبیت بھی انسان کو بتایا گیا ہے۔ چونکہ تمام علوم میں علم معرفت الٰہی کو اہمیت زائد ہے لہذا آیۃ مذکورہ میں اُسی کا ذکر ہے (شبہ) اگر علوم خدا کی طرف سے انسان کو ملے اور فطری ہیں تو علوم کون میں اتفاق رہنا چاہیئے اختلاف کیوں ہے۔ ایک زبان ایک مذہب ایک تمدّن یکساں معاشرت عالم بھر کی ہو۔ قرآن مجید نے اس شبہہ کو بھی صاف کر دیا ہے اس طرح کہ جسمانی اعمال کا اثر بھی روح پر ہوتا ہے انسان اپنے خیالات و اعمال ہی سے اپنی روحانی ساخت کو تیار کرتا ہے اور وہی جسمانی

اعمال اختلاف علم و معاشرت و مذہب و تمدن کا باعث ہوتے ہیں "وکل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ" ہم نے انسان کے اعمال کا اثر اسی کے گلے میں باندھ دیا ہے۔ کل نفس بما کسبت رھینۃ " ہر شخص اپنے اعمال کے اثر میں گرو ہے۔ انگلستان کا مشہور سائنسداں ڈاکٹر اے آر والیس۔ فیلو آف رائل سوسائٹی کہتے ہیں "ہم سب کے سب اپنے ہر ایک عمل و خیال کے ذریعہ ایک ایسی اندرونی ساخت بنانے میں مددگار ہو رہے ہیں جس کو لے کر ہی ہمارا اصل وجود ہوگا۔ ہم اپنے روزمرہ کے خیالات اور کلام و اعمال سے اپنے جیسے کچھ اندرونی ساخت یا دل و دماغ کی جیسی کچھ حالت بنا رہے ہیں آیندہ کی زندگی میں ہماری خوشی یا مصیبت میں کمی بیشی کا براہ راست ہماری اس اندرونی حالت پر ہی انحصار ہوگا"

حدیث میں بھی اس اختلاف کی وجہ بتائی ہے "انسان کی خلقت اسلام پر ہوئی ہے (یعنی ابتداً اسلامی سلامتی کی وہی راہ ہونی چاہیے جو خدا نے خود سکھائی ہو) لیکن ماں باپ یہودی نصرانی مجوسی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں" مذہب کی اس حالت پر تمام علوم و تجربیات کو قیاس کر و جو اختلاف کا سبب ہوتے ہیں۔ خدا نے سب ہی کو ایک راہ بتائی۔ ایک سا علم دیا۔ لیکن ماحول کا اثر اور پرہیزگاری کی راہ بھول کر بدی و شرارت اختیار کرنا یہ نفس کا فعل ہے نفس کو اچھا برا سب ہی علم دیا گیا ہے "فالھمھا فجورھا وتقویھا" اسی سے مذاہب میں خلاف علوم میں اختلاف ہو گیا جن نفسوں نے خدا کے الہامی پرہیزگاری کے علوم کو یاد رکھا سوتے جاگتے برتا ان کے علوم میں اختلاف یا غلطی کا شائبہ بھی نہیں ہوتا ہے جو نبیوں اور اماموں کے علوم پر نظر کرنے سے اُن کی یکسانیت سے پتہ لگتا ہے جو ایک نبی کا علم تھا وہی سب کا ذرہ برابر فرق نہ تھا اسلام میں اُسی کو عصمت کہا ہے جس میں بھول چوک غلطی نہ ہو اور اسی بنا پر مسلمان رسول کریم روحی لہ الفداء کو نبی امّی کا لقب دیتے ہیں اُن کے تمام علوم وہبی تھے مخلوق میں کسی سے کچھ نہیں سیکھا تھا۔ اس لیے کہ علوم الٰہیہ جو آنجناب کی فطرت میں تھے وہ اُن کو پیدائش سے آخر وقت تک یاد رہے پھر سیکھنے یا بھٹکنے کی وجہ کیا ہے۔ علوم الٰہیہ تو ہر انسان میں فطری و جبلی ہیں عام مخلوق و نبیوں میں فرق یہ ہے کہ عوام ولادت کے بعد نشانات ہدایت و حیات و تجربیات و تعلیمات سے نقوش فطریہ علمیہ کو حاصل کرتے ہیں کچھ مجبوری ہوتے ہیں

کچھ تقوے کے علوم انبیاء خدائی وحیوں الہاموں سے اپنے علوم فطریہ الٰہیہ میں تذکر تفکر و تدبر سے کام لیتے ہیں اور ہر غلطی سے محفوظ رہتے ہیں۔

(۴)

مذہب بھی مثل علوم حسیہ عالمگیر ہے

مذہب کی ایجاد بھی علوم حسیہ نے کی ہے اور فطرت انسانی کے ساتھ ساتھ وجود میں آیا ہے اور عالمگیر ہے۔ جو اقوام اب تک "بتر بٹو" دور میں ہیں، ان میں بھی مذہب موجود ہے اور زمانہ ماضی و حال میں بھی متمدن و مہذب اقوام میں بھی مذہب ہی حکومت کر رہا ہے بصورت اثبات ہو (یعنی وجود خالق کا قائل) یا بصورت نفی (یعنی انکار خدا کیساتھ) قولاً نہ سہی عملاً سہی اگر خالق و خلق کے قائل نہ ہوں تو تمام عملیات و تجربیات چھوڑ بیٹھنا چاہیے بے بنائے شے نہیں بنتی بڑی بڑی ایجادیں اور کاریگریاں بنانے والوں ہی نے بنائیں روز کا تجربہ و مشاہدہ ہے مذہب بھی یہی کہتا ہے کہ اتنی بڑی کائنات کا بھی کوئی بنانے والا ہے اگر دنیا بے بنائے بنی، تو معلوم ہوا اس میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کے موجودات بے کاریگر بنتے اور بگڑتے رہیں تو پھر آپ کو ستانے اور راحت لینے کی ضرورت ہے آیروپلین زیپلین ڈائنامیٹ ڈریڈناٹ ریڈیو گراموفون ٹیلیگرام خود بخود دنیا و کائنات بنا بنا کر پیش کرتی رہے گی اور تمام میکانیات کا بغیر ہاتھ پیر ہلائے اور دماغ سوزی کے وجود ہوتا رہے گا۔ خام پیداوار از خود معدنیات وغیرہ کائنات کا نیچر پیش کرتا رہے گا یہ سائنٹس قولاً تو خالق کائنات کے منکر ہیں لیکن عملاً اقراری ہیں کہ بغیر بنائے کوئی شے نہیں بنتی۔ اور علل و معلوم کا غیر متناہی سلسلہ اس وسیع کائنات میں جاری ہے اور اس سے انکار نفس کو جھٹلانا ہے وہ تمام کائنات کے سلسلہ کو علل و معلوم کی زنجیر میں جکڑے ہوئے ہے اور مجبور ہے کہ اس سلسلہ میں ایک علۃ العلل کے وجود کو تسلیم کرے۔ اس لیے ہم کہنے پر مجبور ہیں کہ ملحد سے ملحد بھی مذہب کا قائل ہے۔ دیکھو دیو سماج منکر خدا بھی ہے اور ساتھ ہی مدعی مذہبیت بھی "دیوگرو بھگوان" کو مانتا ہے۔ اس میں مارکسزم، لینزم، بالشوزم، کمیونزم، سب ہی مذہب میں

لیکن خدا کو نہیں مانتے روسیہ میں مادیت اوج کمال پر تھی اور بقول اہل یورپ وہ دنیا میں پھیل رہا ہی ہر چند اُس نے ابھی تک بظاہر عالمگیری اختیار نہیں کی ہی مگر باطنا عام مقبوضات دنیا میں موجود ہے جہاں بہ اقتضائے سیاست یا قومیت مذہب کے پردے میں موجود ہے مگر روسیہ میں بلا لحاظ کسی امر کے کامل چہرہ نمائی کر دی ہے اور پچاس لاکھ نفوس کو معتقد بنا لیا ہے نشر و اشاعت کے لیے اس کے دس اخبار اور جودہ موقت الشیوع رسائل مختلف زبانوں میں کام کر رہے ہیں تین کروڑ ستر لاکھ رسائل اور چھ سو کتب اب تک شایع ہو چکے ہیں انہی الحادی عجائب خانوں کے ذریعہ مذہب ناخدائی کی خاموش تبلیغ ہوئی ہے مگر باوجود ان کوششوں کے انجمن ملحدین روسیہ کا صدر "جر سولادسکی" اعلان کر رہا ہے کہ تحریک الحاد ابھی پورے طور پر اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوی ہے کیونکہ صوبجات میں ابھی تک خدائی مذہب کا اثر و اقتدار باقی ہے۔ اور روسی رسالہ "اشتمالی تمدن" اپنے اداریہ میں لکھتا ہی کہ تحریک الحاد کے سپاہیوں میں عزم کی ضرورت ہے لیکن افسوس سترہ سال کی اشتمالیت کے بعد بھی ہمیں ایک منظم اور قابل جماعت اور قابل اعتماد فوج نہیں مل سکی ملحد نوجوان بہت کم جد و جہد کرتا ہے۔ (رسالہ ادبی دنیا لاہور سنہ ۱۹۳۵ء) اُس نادیدہ اور غیر مسلمہ ہستی (خدا) کے نہ ماننے والوں کو دیکھیے جنھوں نے مقبوضات مادیت کو سنہ ۱۹۱۴ء سے آج تک یعنی سنہ ۱۹۴۳ء تک کس طرح سے دنیا کو خونریزی میں الجھا دیا ہے اور پرستاران مادیت قوائے مادیہ کے ہاتھوں کس طرح سے حصہ رسدی ملیامیٹ ہو رہے ہیں۔

مذہب کے معنی انگریزی میں مذہب کو ریلیجن فرانسیسی میں ریلجن۔ لاطینی ریلیگو بمعنی تعظیم کرنا حفاظت کرنا ہے اس لیے ملحدین کو با مذہب کہنا صحیح ہے لیکن انگریزی میں اس کے لغوی معنی یہ ہیں "مذہب وہ جذبہ تعظیم ہے جو انسان ایک اعلیٰ ہستی کے لیے رکھتے ہیں خدا کو عبادت محبت اور اطاعت کے لیے تسلیم کر لینا مذہب ہے تقدس کو بھی مذہب کہتے ہیں بالآخر عقیدہ و عبادت کا کوئی طریقہ مذہب کہلاتا ہے۔ قریب قریب یہی معنی اقوام وابستہ یورپ میں مسلم ہیں۔ لیکن مذہب کے جامع معنی یہ نہیں ہیں۔ مذہب اگرچہ عربی لفظ ہی مگر قرآن میں استعمال نہیں ہوا قرآن مجید بجائے مذہب "دین" کا لفظ استعمال

کرتا ہے اس لیے کہ اس میں مبدء و معاد دونوں آجاتے ہیں اور یہی مفہوم مذہب کا زندقہ و الحاد کے خلاف ہے۔ دین ملت شریعت جدا گانہ مفہوم رکھتے ہیں۔ حضرت نوح سے پہلے دین تھا شریعت نہ تھی "وکان الناس امۃ واحدۃ" علامہ طبرسی رحمہ اللہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے "کان الناس قبل نوح امۃ واحدۃ علی فطرۃ اللہ" یعنی حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے لوگ فطرت خدا پر تھے اور ایک ہی امت تھے دین مشتمل ہے تعلیم مبدء و معاد پر اور چونکہ مبدء و معاد کی تعیین میں غلطی ہوتی رہتی ہے اس لیے باوجود اعتقاد مبدء و معاد کئی دین ہو سکتے ہیں جنمیں ادیان باطلہ بھی شامل ہیں اس لیے ضرورت تھی کہ خدا ہی دین کا انتخاب کرے اور اس ضرورت کو حضرت ابراہیم نے ظاہر فرما دیا اور قرآن نے بیان کیا "یا بنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون" اے بیٹا خدا نے تمھارے لیے دین کو چن لیا ہے پس نہ مرو تم مگر مسلمان موت۔ یہ راز حضرت ابراہیم نے افشا کیا اور اسلامی نقطۂ نظر سے خاتم النبیین کو غدیر خم اور حجۃ الوداع کے وقت خدا نے اس اسلام کی تکمیل کی خبر دے کر بتایا کہ یہی دین اسلام مکمل شکل میں رہتی دنیا تک رہے گا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا" آج تمھارے واسطے تمھارا دین کامل ہوا اور ہماری نعمت تم پر تمام ہوئی اور ہم تمھارے دین اسلام سے راضی ہوئے۔ خدا نے دینوں میں سے ایک دین کا انتخاب کر لیا۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھو فی الآخرۃ لمن الخاسرین" وہ پسندیدہ خدا کا دین اسلام ہے اور جو کوئی اس کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے گا وہ قبول نہ ہوگا اور آخرت میں وہ گھاٹا اٹھاوے گا۔

اسلام کے رو سے جب خدا ہی دین کا انتخاب کرتا ہے تو اُس کا چلانے والا بھی خدا ہی انتخاب کرے گا تاکہ اُس دین کے چلانے میں غلطی و لغزش نہ ہو اسی لیے وہ چلانے والے کو دین کے معصوم خطا سے ہونا چاہیے اور یہ اعتقاد اسلام میں محض شیعہ فرقے کا ہے۔

(۵)

محسوسات یا مادیات کا ملحدانہ اثر

مادیت کو انگریزی میں "میٹیریلزم" کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وجود نفس و روح یا غیر از مادہ کسی چیز کو تسلیم نہ کرے ہمارا اپنی مادی اصلیت کی حفاظت کرنا بھی مادیت ہے مذہب الحاد اپنے پیروں میں عزم و استقلال جد و جہد کی قوت نہیں رکھتا اس لیے کہ اس کی پشت پر مادہ عمیار، اور اس کے مستقبل میں عدم محض ہے۔ موت آتے ہی نفی مطلق یعنی فنائے محض ہے جہاں آخر میں کسی امید کی جھلک نہ ہو تاریکی اور یاس کا عالم ہو وہاں جد و جہد معدوم عزم و استقلال غائب اس لیے جو کچھ روسی اشتمالیوں نے کہا وہ حقیقت کی ترجمانی ہے "ولیم جیمز" نے اپنی کتاب "پریکٹیزم" ص ۱۰۴ میں بہت توضیح سے دکھایا ہے۔ پہلے وہ مسٹر "بلفور" کی کتاب "مبادی اعتقاد" کی زبان میں انجام مادیت اس طرح سے بیان کرتا ہے "ہمارے نظام کے قوے مضمحل ہو جائیں گے آفتاب کی شعاع تاریک ہو جائے گی اور زمین بے موج و بے سمت کسی قوم کا بوجھ برداشت نہ کر سکے گی جو اس کی تنہائی میں ایک لمحہ کے لیے بھی مخل ہوئی ہو انسان عدم کی قبر میں دفن ہو جائے گا۔ اور اسکے خیالات بھی فنا ہو جائیں گے۔ کارکن شعور جو ایک مختصر وقفہ کے لیے کائنات کے اس تاریک گوشہ کی خاموشی کو توڑتا رہا ساکن ہو جائے گا مادہ اپنی ہستی کو نہ جانے گا۔" بلفور" کی زبانی یہ ہے مادیت کا خاکہ کچھ نہ رہے گا ہر چیز مردہ اور فنا ہو جائے گی اور ہستی کے مقام سے جاتی رہے گی بغیر کسی گونج بغیر کسی یاد بغیر کسی اثر کے کسی ہستی پر جو اسکے بعد مشابہ مثالیہ دیکھنے کا خیال کرے یہ بالکل آخری تباہی اور مصیبت ہے۔"

اس کے بعد بھی مصنف اسی کتاب کی ص ۱۶ سائنس و مادیت کا اثر بیان کرتا ہے جو اس نے انسانی دماغوں پر پیدا کیا ہے۔ "گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ترقی سائنس کا مفہوم مادی کائنات کی توسیع اور اہمیت انسان کی کمی معلوم ہوتا ہے نتیجہ یہ ہے جسے نیچری یا تجرباتی احساسات کا نشو و نما کہہ سکتے ہیں۔ انسان نیچر کے لیے حاکم نہیں وہ اس کا فرمانبردار ہے نیچر وہ ہے جو مضبوط قائم ہے اور انسان وہ ہے جسے اپنے آپ کو اس کے مطابق چلانا چاہیے،

رضا و رغبت سے کارکنی وجرأت وحوصلہ رخصت ہوگئے ہیں نظر مادی اور حوصلہ شکن ہے اعلیٰ کو ادنیٰ سے سمجھایا جاتا ہے اور ہر اعلیٰ کا مفہوم اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ وہ بہت ادنیٰ قسم کی چیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موجودہ مادیت نے عظمت انسانی کو زائل کر دیا اور کسی اعلیٰ سے اعلیٰ شے کی عظمت بھی دلوں میں نہیں چھوڑی ہے نتیجہ یہ ہے کہ انسان میں حوصلہ و بلندی خیال نہیں رہی اور نہ کسی چیز پر اعتماد رہا۔"

یہی مصنف ص۱۲ پر لکھتا ہے نرم دل و سنگدل کے اوصاف کو۔ میری نظر میں بھی قریب قریب یہی اوصاف متدین اور ملحد میں بھی ہیں فہرست اوصاف یہ ہے۔

شقی القلب	رقیق القلب	متجسس	متعقل
ملحد	متدین	ملحد	متدین
واتفاقی	اصولی	مادی	روحی
ملحد	متدین	ملحد	متدین
مایوس	باامید	معتقد جبر	معتقد اختیار
ملحد	متدین	ملحد	متدین
تعددی	وحدتی	منکر	معتقد
ملحد	متدین	ملحد	متدین

(۶)

اسلامی نقطۂ نگاہ سے مادیت کی علت اولیٰ

مذہبی لٹریچر کے روسے مادیت کی علت اولیٰ ایک وجودہستی جس نے مادیت کو ابھارا اور اُچھالا جواب اس نقطہ پر پہونچ گئی کہ خود انسانیت اب خطرے میں ہے۔ وہ وجود ہستی ابلیس ہے جب خدا نے قدسیوں کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم دیا کہ حضرت آدم کے سامنے جھک جاؤ اور اُن کی تعظیم کرو اس نے اس حکم کی تعمیل نہ کی۔ خدا نے پوچھا "ما منعك ان تسجد لما خلقت بیدی،" تو نے کیوں سجدہ نہ کیا اُس کو جس کو میں نے

پنے ہاتھ سے بنایا۔ ابلیس نے جواب دیا "خلقتنی من نار و خلقتہ من طین"، تو نے
ہے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔

آیندہ ہم بیان کرینگے کہ۔ مادیت کا دار و مدار مخلوق کی اصلیت پر ہے وہ ہمیشہ اسی خیال سے شروع ہوئی کہ عالم کس چیز سے بنا اور سب سے پہلے کیا چیز تھی اور اصل اس کی کیا چیز ہے۔ ابلیس نے پہلے پہل یہی مسئلہ چھیڑا اور اس بات پر اُس نے غور نہ کیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے آگ بھی مادی ہے اور مٹی بھی مادی اگر غیر مادی شے کو پیش کیا جاتا تو اس کو حسد ہوتا درحقیقت مادیت میں سب سے بڑا یہی عیب ہے کہ وہ ظاہر پرست ہوکر باطن پر نظر نہیں کرتی اس میں حفظ مراتب کا خیال نہیں اور خود غرضی و نفس پرستی عام ہے اس لیے یہ اپنے ہی اجزا سے برسر جنگ رہتی ہے اور اپنے نظریہ کے سوا کسی دوسرے کے نظریہ کو نہیں مانتی ہرچند کہ وہ نظریہ کیسا ہی معقول ہو۔ اس کو اپنی ضد میں یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ اس کی ضد سے عالم میں فساد و کشمکش حیات پیدا ہو جاوے گا۔ واقعہ ابلیس کو دیکھنے سے مذکورہ خرابیوں کا وجود ملتا ہے اور کیوں نہ ہو اس لیے کہ ابلیس ہی تو مادیت ضارہ کا تخم ریز تھا

یہ ابلیسی نظریہ قیاس پر مبنی تھا جس کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا "اوّل من قاس بامر الدین ابلیس" پہلا شخص جس نے امر دین میں قیاس کیا وہ ابلیس تھا مادیت کے جملہ نظریوں کو ایک ایک کرکے دیکھ جاؤ سب میں کم و بیش قیاس ہی کارفرما ہے اس لیے قیاس کنندہ گروہ ایک طرح کا ابلیسی گروہ ہی ہو سکتا ہے اور مادیت چونکہ انسانیت کی دشمن ہے اس لیے جہاں جہاں ذرات مادیت ہوں گے وہاں ان کی قوت کے مطابق آدمیت سے عداوت بھی ہوگی۔ چونکہ انسان بھی مادی ہے خواہ نخواہ اس میں بھی ابلیسی شرارت اور قیاس اور ڈینگ و ناعاقبت اندیشی و حسد و عداوت بھی موجود ہے۔

اس علت اولیٰ اور قصہ ابلیسی میں سخت اعتراضات کی گنجائش ہے۔

(۱) سب سے پہلے یہ ہے کہ وجود ابلیسی کو مانتا ہی کون ہے خود مسلمانوں میں قرآن پڑھنے والے نئے تعلیم یافتہ کب وجود ابلیسی کے قائل ہیں غیر مذاہب میں شاید ہی کوئی مذہب ہے جو کسی نہ کسی لفظوں میں وجود شیطانی کا معتقد نہ ہو لیکن آجکل عقل کے مارے کب سنتے ہیں

اسکے ثبوت میں ہمارا رسالہ "الجن" مطبوعہ لاہور دیکھو۔

(۲) ابلیس کی آگ سے پیدائش بڑے اچنبھے کی بات ہے حالانکہ آج مادے کے بجائے برقیوں سے خلقت کائنات کا نظریہ قائم ہو چکا ہے لہٰذا ابلیس کی خلقت کا آگ سے ہونا کیوں کسی کو حیرت میں ڈالتا ہے۔

(۳) تاریخیں قصۂ آدم و ابلیس کو اس لیے قبول کرنے سے قاصر ہیں کہ حضرت آدم کی پیدائش کو سات آٹھ ہزار سال سے زاید نہیں گذرے اور آتش پرستی کی علت اولی ابلیس کو بتایا ہے حالانکہ مادہ پرستی آفرینش عالم اور وجود انسانی کے بعد سے جس کو لاکھوں سال گذرے موجود ہے۔

ہماری کتاب "فلسفۃ الاسلام کی بحث تعدد عوالم" کے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ دنیا میں ایک ہی آدم نہیں گزرے اسلام نے بھی خلقت انسانی کی عمر لاکھوں سال بتائی ہے اور متعدد آدمیوں کا ذکر زمین کے اجڑنے اور بسنے پر کیا ہے پہلی مخلوق تباہ و برباد ہوگئی پھر زمین کی مکرر آبادی ہوئی لہٰذا ابلیس و آدم کا یہ قصہ اسی تاریخ شروع ہوا جس کو تم تاریخ مادہ پرستی قرار دو اور قرآن مجید نے زبان وحی میں اسی کو دہرایا ہے۔ لہٰذا اعتراض غلط ہے۔

غرضکہ اگنی دیوتا یا مادہ پرستی کی داغ بیل ڈالنے والا ابلیسی وجود تھا جس نے سب سے پہلے یہ کہا "خلقتنی من نار" مجھکو تونے آگ سے بنایا لہٰذا مسلم مادہ پرستی و علت اولی ابلیس ہے۔

(۷)

آتش پرستی کی اہمیت

اس آگ کو بعد میں اتنی اہمیت ہوگئی کہ انسانی دماغ نے سب سے پہلے اسی کی الوہیت و معبودیت کے واسطے منتخب کیا جس زمانے میں ذرائع حصول آتش کے مفقود تھے اور ناگہانی آگ سے ذخیرے آگ کے بنا کر محفوظ رکھے جاتے تھے سوغات میں آگ دوسروں کو دی جاتی تھی اس وقت آگ کی اہمیت کا کیا پوچھنا اس اہمیت نے انسان کو آتش پرستی کی دعوت دی

جس کی ایک شاخ زردشتی مذہب بھی ہے۔ سب سے بڑا آتشی مخزن آفتاب تھا اُس کی پرستش شروع ہوئی پھر علوم تجربیہ سے جس چیز میں آگ کو دیکھا اُس کو پوجنے لگے آگ، درخت (جو اپنی شاخوں کی رگڑ سے جنگل کے جنگل جلا دیتا ہے) کوہ آتش فشاں کی بدولت ہر پتھر پوجا گیا یکے بعد دیگرے یہ چیزیں قابل پرستش قرار پائیں۔

دیکھو مختلف ناموں سے سورج دیوتا اقوام عالم میں پکارے گئے اور سر نیاز اقوام عالم نے سورج دیوتا کے سامنے جھکائے۔

فہرست اسمائے سورج در اقوام

(۱) انگریزی ایام ہفتہ میں "سنڈے" سورج دیوتا کا دن۔
(۲) یونانیوں میں - ایولو یا داؤنیسٹس
(۳) رومنی میں - ہرکیولز۔
(۴) ایرانیوں میں متھرا۔
(۵) فرنگیا میں اڈونیس
(۶) شامیوں میں الیٹس
(۷) مصریوں میں اُسیرس دہورس
(۸) بابلیوں میں بعل
(۹) کرتھیگیوں میں اشتر
(۱۰) میکسیکیوں میں کوٹزاکوٹل

قبل مسیح ایران کا عام مذہب متھرائی تھا اور چھ سو سال تک اس ملک میں یہ خوب پھلا پھولا ممکن ہے کہ ایران کا قومی نشان شیر خورشید متھرا دیوتا ہی کی یادگار ہو۔ سنہ قبل مسیح یہ مذہب پھیلتے ہوئے قریب روما پہونچا اور اپنی راہ صاف کرکے برطانیہ جا پہونچا۔ چنانچہ چیسٹر، یورک، اور دیگر مقامات پر برطانیہ میں اس مذہب کی یادگاریں ملی ہیں "متھرا" کے متعلق جو عقائد قبل مسیح رائج تھے اُن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"متھرا" خدا اور خلق کے درمیان سب سے بڑا واسطہ ہے وہ ایک غار میں ۲۵ دسمبر (بڑا دن) کو شوہر نادیدہ عورت سے پیدا ہوا اُس نے عرض وطول پر زمین کے سفر کیا اُس کے بارہ شاگرد تھے۔ وہ انسانیت کی خدمت میں مرا دفن کیا گیا مگر پھر قبر سے زندہ اُٹھا اُس کا جی اُٹھنا بڑی مسرتوں سے منایا جاتا تھا اس کے بڑے تہوار کرسمس اور ایسٹر تھے اس کو منجی کہا جاتا تھا اور کبھی کبھی اسے "برہ" کہتے تھے لوگ اسکے مذہب میں اصطباغ سے داخل ہوتے تھے اسکی یاد میں مقدس دعوتیں (عشائے ربانی) منعقد ہوتی تھیں۔

مذہب متھرا یورپ میں تیسری صدی مسیحی تک رہا اور مسیحیوں نے اسکے تمام عقائد کو اپنے مذہب کا جزو بنا لیا اور مذہب متھرا کے نام کو مادی قوت کے نام سے فنا کر دیا اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بقول "سینٹ جیروم" مسیحیت کے پھیلنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اس کا نام تو جاتا رہا مگر مسیحیت اسی کا چربہ تھی۔

"ٹرٹولین" جو سب سے پہلے فادروں میں بڑی ممتاز اہمیت کا مالک ہے کہتا ہے "اس کے زمانہ میں علماء متھرائیت اور مسیحیت کو نام کے سوا ہر چیز میں مشابہ سمجھتے تھے" سینٹ جیروم اور دیگر متقدمین فادر اس مشابہت پر حیران رہ گئے جو ان دونوں مذہبوں میں پائی گئی لیکن ان کے خلوص سے اسے شیطانی اغوا کی طرف منسوب کیا اور خاموش ہو گئے۔

غرضکہ شیطان کا قول "خلقتنی من نار" شعلہ ور ہوا عالم میں اگنی دیوتا کا رواج ہوا کہیں آتشکدے بنے کہیں اگنی بھون ہونے لگے اور اس طرح مادیت اپنے بانی کے سایہ میں تربیت پا کر پھلی پھولی۔ لیکن خدا کے خلیل نے ستاروں اور آفتاب کو جو مبدأ سب پرستشوں کا تھا "لا احب الافلین" ہم غروب ہونے والوں سے دوستی نہیں کر سکتے اور اپنا خدا نہیں بنا سکتے" کہکر تمام فردعات کو ناقابل پرستش بنا دیا اسلیئے کہ غروب حرکت ہے اور حرکت ذاتی کا وجود نہیں ہے بجز حرکت قسری کے ہر شئے کی حرکت مستدیرہ خود اسکے قسری ہونے کی دلیل ہے اسکی مفصل بحث فلسفۃ الاسلام بحث کون وجود میں دی گئی ہے لہذا حرکت قسری قاسر کا پتہ دیتی ہے اور جس چیز میں یہ حرکت ہو عقل معمولی اُسکے فاعل و علت اولیٰ کی نشان دہی کرتی ہے لہذا یہ خدا نہ ہوگا بلکہ اس کی علت خدا ہو گی۔

(۸)

مادیت از روئے فلسفہ و سائنس

یہ لوگ کہتے ہیں کہ دو لاکھ پچاس ہزار سال یا اس سے بھی زائد عرصہ سے نسل انسانی اس کرہ خاکی پر موجود ہے اور اس طولانی مدت سے بہت زیادہ ابتدائی حصہ میں انسان کو قدرت کی تباہ کن قوتوں کے درمیان کشمکش حیات میں بسر کرنا پڑی اس ابتدائی دور میں انسان کو عمل کرنا پڑا قبل اسکے کہ وہ کچھ سوچ سمجھ سکے اس کو طبعی اور مادی ماحول کے مطابق ردعمل کرنا پڑا بہت بیشتر اس کے کہ اسے اس کے سمجھنے کی قابلیت یا فرصت ہوتی خواہش زیست سے کشمکش حیات تیز ہوئی اور خودداری اور اظہار طاقت نے خواہش زیست کو تیز کیا اور ابتدا ہی سے یہ امور تعجب و حیرانگی کے موہوم ادراک سے معلوم ہونے لگے اور آج تک جس تعجب و حیرانگی کا کچھ اشارہ ان مذہبی رسوم کا ملتا ہے جو ان افعال و رسوم سے جنھیں ابتدائی انسان دیوتائی قوتوں کو مسخر کرنے یا خوش کرکے اپنا بنانے کے لیے کیا کرتا تھا مرور زمانہ سے ان پر فرضیت اور اس کے بعد علمی رنگ چڑھایا گیا اور ان کی علتیں زمانے کی علمی سطح کے مطابق بدلتی رہیں لیکن ان کے واسطے متحرک عنصر مذہب کے رسوم ان کے مشابہ رہے۔ جس کی مزید توضیح و تشریح یہ ہے کہ بقول علمائے نفسیات ایسی انسانی جماعت کا کسی دور میں پتہ نہیں چلتا جو کسی قسم کی روایت سے جدا ہو۔ مگر انھوں نے ایک ایسی انسانی جماعت فرض کرلی ہے جس نے اپنے سامنے کسی قسم کی مثال نہ دیکھی ہو جس نے اپنے بڑوں اور ہم جنسوں کے متعلق کچھ نہ سنا ہو اور بالکل خالی الذہن ہو اور پھر ایسی جماعت اور حیوانات کے درمیان ضروری مشابہتوں کو معلوم کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس طریقہ سے وہ خلیج پاٹی جاوے جو ادنیٰ درجہ کے معلوم انسان اور اعلیٰ درجہ کے سمجھدار حیوان کے درمیان روایتی علم۔ یقین۔ اور احساس نے جسے ابتدائی انسان نے حاصل کیا پیدا کی۔ یعنی روایتی علم یقین اور احساس کو مہیا کرنے کے بعد انسان و حیوان کا چلن ایک جیسا معلوم ہو۔ چنانچہ "ولیم میکڈوگل" اپنی کتاب خاکہ نفسیات (آؤٹ لائنز آف سائیکالوجی)

میں لکھتے ہیں۔ بالفاظ واضح انسان کو حیوان ثابت کرے۔ یہی مادیت کا پہلا سبق اور آخری نتیجہ ہے۔ پہلے یہ کہتے تھے کہ انسان حیوان ہے اور جب حیوان بن گیا لہذا حیوانی کام کرے ناچ گھروں میں اسی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور قدیم مادیت کا یہ مظاہرہ ان کو ان دنوں ”ایام پوجا“ میں بھی نظر آتا ہے۔ اور انسانی شکلیں دم وغیرہ لگاکر بندر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ الحاصل ایسی خالی الذہن جماعت انسانی کا پتہ نہ لگنا ظاہر کرتا ہے کہ انسان کبھی بھی ایسا نہ تھا کہ انسان اور حیوان کے فضائل میں فرق ہوگا اور یہی مذہب کی سب سے بڑی حقیقت ہے کیونکہ اس نے سب سے پہلے انسان کے متعلق کہدیا ”علم آدم الاسماء کلہا“ آدم کو تمام نام سکھا پڑھا دیئے، اس کی ذریت کے لیے یہیں سے روایتی علم شروع ہوگیا اور ایک پشت دوسری پشت کو دیتی رہی اور دوسری طرف الہام ربانی اس علم کی توسیع کرتا رہا۔ اس بحث کو اسی مقام پر چھوڑکر پھر ہم علمائے نفسیات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ان حکمانے ذہن میں ایسی خالی الذہن ابتدائی جماعت فرض کرلی اور ”کپلنگ“ نے اس کا نام ”موگلی“ رکھا۔ اس کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ اپنے گزشتہ تجربوں سے زائد بہری پاتا تھا اور انھیں کا زائد حوالہ دیتا ہے۔ اس کا باقی چلن ویسا ہی ہے جیسا حیوان کا۔ مجھکو اسکے صدق و کذب سے اس جگہ بحث نہیں ہے۔ اس کے بعد ان علمار نے حیوانی شعور دل کے معلوم کرنے کی مہم شروع کی اور وہی انسان میں تبلائے۔ اگر اس بات کو نہ بھی کہا جاتا تب بھی ہم مان لیتے کہ انسان میں حیوانیت ہے اور اسی حیوانیت کی اصلاح کرنے کا نام انسانیت ہے۔

غرضکہ حیوانی شعور میں سے ایک شعور جنگ اور اسی سے ملتا جلتا ہوا شعور خوف کا ہے پہلا بعض حیوانات میں ہے نہ کہ سب میں لیکن دوسرا سب میں ہے شعور جنگ کا تلاش غذا یا ازدواج میں رکاوٹ کی وجہ سے برانگیختگی اور یہ اکثر مردوں میں ہے۔ اسی لیے اسلام نے مردوں پر جنگ واجب کی اور عورتوں پر حرام۔ شعور جنگ کی سی کیفیت بعض حیوانات کی مادہ میں پائی جاتی ہے جیسے بچہ والی مرغی اپنے دشمن سے جنگ آزما ہوتی ہے ہرچند کہ خود اسکی جان خطرے میں پڑ جاوے۔

جب جنگلی حیوانوں میں شعورِ جنگ اُبھرے تو وہ چیختے اور چلاتے ہیں دم زمین پر مارتے ہیں جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ مخالف خوفزدہ ہو اسی لیے علمائے نفسیات نے کہا ہے کہ شعورِ خوف کے لیے سب سے ضروری اچانک بلند شور ہے۔ اس لیے یہ قرینِ قیاس ہے بلکہ اغلب ہے کہ "موگلی" یعنی ابتدائی دور کے انسان نے جب کائنات میں کسی موقع پر بھیانک آواز گڑگڑاہٹ گرج یا دھماکا سُنا ہوگا تو اسے خوف پیدا ہوا ہوگا۔ اسی طرح سے وہ بعض قدرتی چیزوں سے محبت رکھتا ہوگا چونکہ اس میں خواہشِ زیست تھی اس لیے ڈراونی چیزوں کو خوش کرنے اور محبوب چیزوں کو مہربان بنانے کے لیے جادو ٹونا استعمال کرتا ہوگا۔ اسکی تائید میتھولوجی (فرضیات) کے دور سے ہوتی ہے جس وقت اس نے دیوی دیوتا فرض کئے۔ چونکہ اس وقت مادے کی بے پناہ قوت بے بس اور قابو سے باہر تھی خشکی اور تری میں جنگ جاری تھی زمین اپنی ہستی قائم رکھنے کے لیے بے قرار تھی اور اس لیے زلزلے آتے رہتے تھے اور قدرتی قوتوں کے کھیل تابڑ توڑ ہو رہے تھے اس لیے مبتدی انسانوں نے فرض کیا کہ اس بے ترتیبی اور بے نظمی کا کوئی دیوتا ہوگا۔ اس بے قانونی اور بے ترتیبی کا مالک یونانی میتھولوجی (قصص الاصنام) "مین" دیوتا کو مانا گیا۔ اور اس دیوتا کو بزدل اور بزدل مانا گیا اور اسی طرح کی اس کی شبیہ اور بُت بھی بنایا یعنی بزدل اور بزدل "پین" کو خدائی (ابتری) اور مالکِ بے قانونی اور بے نظمی تسلیم کیا گیا۔ گویا زمانہ جاہلیت میں بھی اس امر کا شعور و احساس تھا کہ بزدل اور بزدل دیوتا ہی بے اصولی و بے قانونی باتیں کر سکتا ہے اس لیے یہ کبھی توقع نہ رکھنا چاہیے کہ کوئی اس صفت کی ہستی عالم میں نظم و نسق پیدا کر سکتی ہے۔ قرآن مجید کیا خوب کشفِ حقائق کرتا ہے "اذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل" جب وہ حاکم ہوگا تو زمین پر اُس کی دوڑ دھوپ محض فساد کی غرض سے ہوگی اور کھیتی و نسل ضایع کرے گا۔"

اسی طرح سے اور دیوتا مانے گئے جن میں سے "دیاؤس" (دیانوس) آسمانی دیوتا کا نام اکثر زبانوں میں ملتا ہے۔ یونانیوں نے اپنی تہذیب کے پہلے تخم مشرقی کناروں سے لیے جہاں آریہ حملہ آور سکونت پذیر تھے۔ اور اُن میں آسمانی دیوتا "دیاؤس" کا خیال

موجود تھا وہاں سے دیگر آریہ اقوام میں یہ خیال گیا اور مسیحیت نے "آسمانی باپ" کا محاورہ اپنے پیشرو یونانی دیوتا پرستوں سے جن میں یہ رائج تھا لیا۔

جب ابتدائی انسانی جماعت نے زن و مرد میں تناسلی رشتہ جوڑا تو انسانی خیالات نے دیوتاؤں میں بھی تناسلی پیوند لگایا۔ اُس وقت دو دیوتا "دیاؤس" اور "پرتھوی" یعنی آسمان و زمین میں یہ ناتا جوڑا۔ ایک یونانی شاعر اس وصل کا اس طرح تذکرہ کرتا ہے "پاکیزہ آسمانوں کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ زمین پر محبت کا تیر مارے زمین بھی آسمان کے خدنگ نظر کا شکار بنی۔ مینھ قاصد وصل بن کر زمین پر آیا۔ زمین حاملہ ہوئی"

اسی لیے غالباً سوائے جرمنوں کے تمام دیگر آریہ اقوام میں "مدر لینڈ" مادر وطن کی اصطلاح پائی جاتی ہے۔ اور حضرات اہل ہنود زمین کو "دھرتی ماتا" کہتے ہیں "دیاؤس" پرتھوی میں زمین و آسمان کی دوری کے باوجود شکم زمین سے پیدا ہونے والی "دیاؤس" کی اولاد ہی قرار دی گئی۔ شاید اسی "میتھولوجی" سے فقہی مسئلہ بھی استنباط کیا گیا ہو کہ باپ مغرب میں ہو اور ماں مشرق میں تو اسی مشرقی ماں کی اولاد مغربی باپ ہی کی سمجھی جائیگی"

جب ابتدائی دور میں زن و مرد کا ازدواجی تعلق پیدا ہوا تو مرد اقتضائے فطرت کو پورا کرنے کے بعد چلتا نظر آیا ہوگا اور ماں ہی کے کاندھوں پر بچّوں کی کفالت کا بار اور گھر کا انتظام کرنا پڑا ہوگا اس لیے سوسائٹی میں ماں کو اہمیت حاصل ہوتی ہوگی۔ گائے اور زمین کو ماتا (ماں) کہنے کا رواج شاید اسی عہد کی یادگار ہو۔ اس وقت چونکہ جماعت انسانی میں عورت ہی گھر کا انتظام کرتی تھی اس لیے اس جماعت نے کائنات کا انتظام بھی "نیمس" دیوی کے سپرد کیا جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ "یہ وہ دیوی تھی جو قدرت کے وحشی اشیاء کو روکتی اور قابو میں رکھتی تھی اور اس طرح قدرت میں کچھ نظم قائم رکھتی ہے" اب تک کے بیان سے تین دور کا پتہ لگا۔ ایک دور "اچانک" جس میں نہ سوچنے کی قابلیت تھی نہ فرصت۔ دوسرا دور جس میں بزیا اور بزدلی میں" دیوتا بے نظمی کا خدا بنا۔ تیسرے دور میں "نیمس" دیوی کے ہاتھ میں نظم کائنات کا دیا گیا۔ اور بالآخر یہی دیوی انتقامی ارواح میں رونما ہوئی جو کہ بقول "ہیراکلیطس" سورج کو اس کے محور میں رکھتی ہے۔

"ریاست کرٹین" تین ہزار سال قبل مسیح ترقی پر تھی ان کی بڑی آماجگاہ عقیدت ایک عورت زرخیز کنندہ روح تھی۔ انسانوں میں سانڈوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کیونکہ قومی ثروت میں یہ قیمتی عنصر تھا لیکن یہ نظام زنانہ ہمیشہ قائم نہ رہ سکتا تھا آخر مرد نے سردار خانہ کی جگہ لی اور خاندانی نظام قائم ہوا باپ نے بڑھتی ہوئی اولاد کو تحصیل آزوقہ کے واسطے مختلف جنگل دیے پھر اس انقلاب پر اس نے اپنے صنف کے مردانہ خدا بنائے اور دیوتاؤں کا خاندان بنا ان کی اولاد قرار دی اور پھر مقامات حکومت و خدائی تفویض کیے گئے۔ چنانچہ "ہوپ مونگریف" اپنی کتاب "گلاسک متھ اینڈ لیجنڈ" صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں "آسمانی خدا "دیانوس" کی شادی زمین دیوی سے ہوئی اور اُن سے خداؤں کا وہ کنبہ پیدا ہوا جن کے لیے ہوا۔ بحر و بر اور تاریکی زیر دنیا میں مملکتیں میسر آسکتی تھیں اُن کے غیر فانی خون کے قومی یا مقامی نامور بہادروں کے خون کے ساتھ ملنے کے افسانے بنے اور یوں خدا اور انسانوں میں رشتہ بنایا گیا۔ شاید آسمانی باپ اور خدا کا بیٹا اسی مذکورہ اعتقاد کی پیداوار ہے۔ اور قرآنی للکار "لم یلد ولم یولد" نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا۔ شادی بیاہ اور رشتہ ناتا سب کا تار و پود بکھیر دیا۔

الغرض میرا خیال یہ ہے کہ مغربی زبانوں میں "ڈائینسٹی" خاندان کی لفظ آسمانی خدا "ڈایانوس" ہی کی نسبت سے ہے۔ اس وقت کی انسانی جماعت نے جب مرد کے زیر سایہ خاندان بنائے تو انھوں نے خداؤں کے بھی خاندان بنائے اور اُس وقت سب سے بڑا خدا دیانوس مانا جاتا تھا اس کی نسبت سے اس کے خاندان کو "دیانستی" کہتے ہوں گے اس لیے اُنھوں نے خاندان کے لیے یہی لفظ وضع کر لیا میرے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انگریزی لفظ "ڈائینسٹی" یونانی لفظ "ڈئینسٹیا" (حکومت) سے مشتق ہے اور یہ یونانی لفظ "ڈائینسٹیس" بنا ہے جس کے معنی حاکم و سردار ہیں قوت اور طاقت اور حکومت ہی کی وجہ سے آسمانی خدا کا نام "ڈیانوس" رکھا گیا۔

ہندوستانی پرانی کتابوں میں ہمیں ان دیوتاؤں کی تعداد جن کا اوپر ذکر ہوا ۳۰۰۳ ملتی ہے جن میں سے ۳۰۳ منتخب ہوئے پھر انتخاب ہوتے ہوتے یہ ۳۳ رہ گئے

پھر ۶ پھر ۳ - رگوید میں دیوتاؤں کو خصوصیت دی گئی ہے اس میں آٹھ "وشنو" (اگنی دیوتا کی مختلف صورتیں) ۱۱ ردر (طوفانی دیوتا کی مختلف شکلیں) اور ۱۲ - ادیتا (سورج دیوتا کی مختلف ہیئتیں) میں باقی وواندر (آسمانی) اور پرجاپتی (زمین) ہیں۔ یہ ان منیھولوجیکل دور میں بنے اور اس دور سے علمی اور فلسفی حالت کی طرف ترقی کا قدم سست رہا۔ اور جب یہ حالت حاصل ہوی تب بھی پہلی حالت کے مباین نہ تھی۔ الغرض جوں جوں انسان کی ذہنی اور حسی و علمی ترقی ہوتی گئی ان فرضیات پر علم کی پالش ہوتی رہی۔ مثلاً پانی جسے "تھیلیز" نے اصل اشیا مانا "اسپنرس" کی یاد تھی۔ آگ جسے "ہیراکلیطس" نے اصل اشیا تسلیم کیا۔ سورج دیوتا کی یاد تھی۔ اس اجمالی بیان سے مادیت کی علت اولیٰ کا پتہ چل گیا یعنی اس کی پہلی علت یہ تھی کہ انسان کو مادے کی بے پناہ قوت سے مقابلہ کرنا پڑا اس لیے انسان اُن سے ڈرتا رہا ان سے مغلوب رہا لہذا مادہ اور اس کی بے پناہ قوتوں کو خدا سمجھ کر ان کے سامنے سرنگوں تھا انھیں کو خوش کرنے کے لیے بھجن گاتا رہا اور اُن کو خوش کرنے کے لیے ذرائع و وسائل میں پناہ لیتا رہا اور پورا مادی و مادہ پرست بن گیا لیکن قرآن نے "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" یاد الٰہی کر کے اطمینان قلب حاصل کرو خوف و بیم کا علاج بتایا اور مادیات کے خوف کو دلوں سے اس طرح ہٹایا۔

(۹)

مادیت کی خالص فلسفی جانچ

اس کے بعد دوسرا دور آیا اور قبل سقراط متفکرین نے اس میں فکر شروع کی کہ وہ چیز کیا ہے جس سے سب چیزیں مرکب ہوئیں اور جس کی طرف پھر پلٹنا ہے۔ اس دور میں انسانی دماغ یہ فرض کرنے کی طرف مائل ہوا کہ دنیا کی بوقلمونیاں اور وسیع نیرنگیاں دراصل ایک ہی چیز سے بنی ہیں اب اس پر غور شروع ہوا کہ وہ چیز ہے کیا۔ اس طرف پہلا قدم "آئونا" کے یونانی متفکرین نے اُٹھایا "تھیلیز" نے ۶۵ سنہ قبل مسیح پانی کو اور "انکسامینز" نے ہوا کو اصل اشیا قرار دیا۔ لیکن "انکسامندر"

نے کہا اصل اشیا مادہ سے مختلف اور غیر محدود اور مستقل ہے اسی سے عناصر اربعہ جدا ہوئے ہیں ان ابتدائی متفکرین نے اصل موجودات کو مادی بنیاد اور مادی اعمال کی طرف منسوب کیا ہر چند کہ یہ بالکل مادیت مشرب نہ تھے۔ کیونکہ ان کو مادہ اور نفس کی تمیز تھی پھر بھی یہ مادے کو غیر فانی چیز سمجھتے تھے اس بنا پر کہا جا سکتا ہو کہ یہ مادیت کی علت ثانیہ تھے ان کے بعد فیثاغورثی دور آیا انھوں نے مادہ کی نسبت ہیولی پر زور دیا موسیقی کے مطالعہ نے نسبت کی ایجاد کی طرف رہبری کی جب اُنھوں نے دیکھا کہ سارنگی کے سر تاروں کی لمبائی پر موقوف ہیں تو انھوں نے ہر چیز کو اسی پر قیاس کیا اور اسی خیال پر اُنھوں نے جسم کی صحت کا مدار رکھا صحت جسم پر موقوف ہی حار بارد رطب یابس کی مقررہ نسبت پر طب میں دواؤں اور مزاجوں کے اسی اصول پر چار درجہ قائم کیے گئے غرضکہ اس نسبت میں کمی زیادتی کے باعث عوارض جسمانی عارض ہوتے ہیں۔ اس خیال کو آگے بڑھاتے ہوئے اُنھوں نے کلیہ قرار دیا کہ اصل اشیا ان کے مختلف ہیولاوں میں ہے۔ اعداد اور ہیولا ان دونوں آسانی سے پہچانے جاتے تھے اعداد و نقاط کی شکل میں تھے نقاط سے خطوط خطوط سے سطوح بنتے تھے اور سطوح کے تجزیہ سے خطوط اور ان کے تجزیہ سے نقاط اس لیے اُن کا نظریہ یہ تھا کہ تمام اشیا اعداد ہیں یا اعداد سے بنے ہیں۔ قرآن نے خدا کو "خالق کل شئ" ہر شئے ہوا پانی آگ اور ہر موجود و موہوم کا خالق خدا کو قرار دیا اور "قل هو الله احد" کہکر اعداد و شمار سے اُس کی ذات قدسی کو بالاتر بتایا اور اصل کائنات اُس علت العلل کو قرار دیا۔

(۱۰)

ویدانت و وحدت وجود

"اکسینو فینز" مذکورہ حکما میں سے گذرا ہے جس نے دیوتائی عقیدے پر سخت حملہ کیا اور کہا فانی انسان یقین رکھتے ہیں کہ خدا اسی طرح وجود میں آتے ہیں جیسے وہ خود اور یہ کہ ان کے حواس اصوات اور اجسام ہی ہیں۔ لیکن اگر بیل یا شیر کے ہاتھ ہوتے

تو بیل خدا اُن کو بیل جیسا اور گھوڑے گھوڑا جیسا خدا بناتا۔ اس حکیم کا خیال تھا کہ ایک ہی اعلیٰ خدا ہے جو جسم و خیال میں فانی مخلوق جیسا نہیں ہے۔ ارسطو کے بیان کے مطابق یہ حکیم پہلا وحدت وجودی کا قائل گذرا ہے عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ذیل کے مقولہ کا مصنف بھی یہی ہے "یعنی سب کچھ ایک ہے اور وہ ایک خدا ہے"، یہ ویدیا کی تیسری کروٹ تھی ویدانت یہی ہے وحدت وجودی ہے۔

پہلے ویدانت کا کچھ بیان سوتروں اور اُن کی تفسیروں سے مناسب ہے۔ مندرجہ ذیل ویدانتی سوالات کا اقتباس کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ ویدانتی کہاں تک اقراری ہیں۔ ویدانت درشن مترجمہ و مشرحہ سوامی درشنانند جی سرسوتی مطبوعہ لاہور ص۲۴ میں جو سوتر شبد ہے ان سے برہم کا اپادان کارن ہونا پایا جاتا ہے اور دوسرے اچاریہ بھی ابھن نمت اپادان (یعنی وہی علت مادی اور وہی علت فاعلی ہے) مانتے ہیں ص۵ ابھن نمت اپادان یعنی علت مادی و فاعلی کے ایک ماننے میں بھی "درشٹانت" یعنی مثال کی عدم موجودگی نہیں ہے بلکہ مکڑی کی مثال سے اچاریہ لوگ ابھن نمت و اپادان ثابت کر چکے ہیں۔ مکڑی باہر سے کوئی چیز نہیں لیتی بلکہ اپنے اندر سے جالا پیدا کرتی ہے اور اندر ہی شامل کر لیتی ہے۔ ہم اپادان کارن اس طریق پر نہیں مانتے جس سے ایک رس یعنی غیر متغیر برہم میں پرنیام آجاوے۔ بلکہ ہم تو بودت اپادان مانتے ہیں جیسے بھرم سے سانپ معلوم ہوتی ہے ایسے ہی برہم بدل کر جگت روپ نہیں ہو گیا بلکہ بھرم سے جگت روپ معلوم ہوتا ہے۔

برہم ست ہے اور جگت متھیا ہے اور جیو برہم ہی ہے اس سے علیحدہ کوئی شئے نہیں ص۱۵ شرتی میں صاف لکھا ہے کہ جو لوگ اس جگہ بہت سی چیزوں کو جانتے ہیں وہ بار بار جنم پاتے ہیں یعنی مکتی سے بے بہرہ رہتے ہیں ص۱۶ تمام اچاریہ تو ویدانت کا بھاشیہ کرتے ہوئے جیو برہم کی ایکتا سدھ کرتے ہیں۔

خلاصہ بیان یہ ہے کہ تمام کائنات برہما ہے اسی سے یہ نکلتی ہے اس میں یہ جذب ہو جاتی ہے اور اسی میں یہ جیتی ہے۔ اس غیر متغیر کو عقلاً موجودات کا منبع یا علت

سمجھتے ہیں جیسے مکڑی اپنے وجود ہی سے تار نکالتی ہے اور اسی میں رہتی ہے جیسے پودے زمین سے نکلتے ہیں اور اسی میں واپس جاتے ہیں اور جیسے سر اور جسم کے بال زندہ انسان سے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح سے کائنات اُس غیر متغیر ہستی سے نکلتی ہے جس طرح سے دودھ سے دہی بن جاتا ہے اور پانی برف اسی طرح برہما بغیر آلات کی مدد کے یا کسی قسم کے بیرونی وسائل کی مختلف شکلیں بدلتا ہے۔ ویدانتیوں کی نظر میں جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اس کی نجات ممکن نہیں ہے اور اسی لیے وہ تناسخ کے چکر میں پھنسے ہیں۔"

ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ حقیقی ویدانت یہی تھا ہم کو صرف یہ دکھانا تھا کہ ایک ایسا مذہب بنا جو یہ عقیدہ رکھتا تھا۔ اور سُلجھے ہوئے ویدانتی بھی یہی کہتے ہیں کہ کتب مقدسہ کا لفظی ترجمہ یہی ہے۔ چنانچہ "پنڈت نہیمیہ گوریہ" کہتے ہیں "کیونکہ 'اتو میان سا' کے لفظی ترجمہ کے مطابق برہم درحقیقت خود ہی ہر شے بن جاتا ہے آدمی حیوان لکڑی پتھر بلکہ نیک انسان اور بدکار ترین انسان۔ تو برہم کی قدرت مطلق علم مطلق قدس وغیرہ ضعف جہل فسق بلکہ غیر جاندار شے میں بدل جاتے ہیں۔ ویدانت کو اس بیہودگی سے بچانے کے لیے علمائے ویدانت اس کی تعلیمات کو مایہ اور مختلف اقسام وجود کے نظریوں سے سمجھاتے ہیں۔ "ڈبلیو آر میتھیوز" نے دیباچہ فلسفہ مذہب میں ویدانت کے متعلق ایک شذرہ لکھا ہے۔

ملخص یہ ہے کہ اگرچہ مذہب وحدتی خدا کے متعلق بہت سے عقائد پر حاوی ہے جن میں بہت کم امور مشترک ہیں مگر خلاصہ اس مذہب کا یہ ہے کہ خدا اور دنیا میں کوئی امتیاز نہیں ہے مکمل مذہب وحدتی بیان کرتا ہے کہ "سب کچھ خدا ہے اور خدا سب کچھ ہے" وحدتی عقیدے اپنے نتائج میں مادیت سے بالکل غیر ممیز ہیں اور انتہائی صوفیت و ہمیت ہے اور تجربہ کی دنیا کو محض وہم و سراب سمجھتے ہیں "سپینوزا" کا وحدتی فلسفہ دہریت و ہمیت دونوں کا مجرم ہے یعنی یہ خدا اور دنیا دونوں کی حقیقت کا منکر ہے۔ غرضکہ وحدت ہر شکل میں سخت ترین اعتراضات کا مورد ہے۔

ہمہ اوست کے رو سے فانی اشخاص کی آزادی اور ذمہ داری وہم و سراب ہے

کیونکہ یہ خدائی حقیقت کے اجزا یا حالات ہیں۔ وحدتی نظریہ نہ فقط اخلاقی زندگی کی حقیقت کو تباہ و برباد کرنے کی طرف مائل ہے بلکہ یہ خیر و شر کی تمیز کو مٹا دیتا ہے اگر ہر چیز خدا ہے تو ہر چیز کی ہر حالت خدائی حقیقت کا ظہور ہے اور وہ فرق جو ہمیں درست و غلط اور نیک و بد میں اتنا اہم معلوم ہوتا ہے وہ صرف ہمارے نقطۂ نگاہ سے ہے اور اصلیت اشیاء پر مبنی نہیں ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی بناء پر ان نظریوں کا نتیجہ یہ نظر آیا کہ انھیں میں "بام مارگی" فرقہ پیدا ہوا جو برہما اور پاربتی بن کر حلال و حرام کی تمیز کو مٹاتا اور من مانی کارستانیاں کرتا رہتا تھا۔

"پنتھیزم" (ویدانت) صرف ہندی مذاہب ہی میں ہمہ گیر نہیں ہوا بلکہ ویدانتیوں نے اسلام لا کر بھی اپنے خیالات کو پھیلایا۔ "خود کوزہ و خود کوزہ گر خود گل کوزہ خود برسراں کوزہ خرید ار برآمد بشکست درواں شد" یہ ویدانت ہی کی صدائے بازگشت ہے۔ شرح مواقف ص۲۷۵ مقصد پانچ میں لکھا ہے کہ "میں نے بعض صوفیہ وجودیہ کو دیکھا جو حلول و اتحاد کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ حلول ہے نہ اتحاد کیونکہ یہ تو غیریت پر دلالت کرتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے ہم تو یہ کہتے ہیں کہ خانہ وجود میں سوائے اس کے (خدا کے) اور کوئی نہیں ہے۔"

بیان بالا سے معلوم ہوگا کہ مذہب ویدانت اور وحدت وجود نے مادیت کو کتنی تقویت دی اور مذاہب کی آڑ میں کیا کچھ نہیں کر ڈالا حقیقت میں دور اول مادیت کا اور دور ثانی مادیت کا یکساں ہی رہا اور دور ثانی کو موجودہ دور سے ملاؤ تب بھی نتیجہ یکساں ہے صرف اتنا فرق ہے کہ دور دوم میں ہر چیز کو خدا سمجھ کر ہر فعل جائز سمجھا گیا اور موجودہ دور میں خدا کا نام ہی نہ رہا اور نتیجہ وہی یکساں ہر شے کی اباحت رہی۔

(۱۱)

ویدانت اور وحدت وجود کی صدائے بازگشت

انسانی خیالات کی تاریخ ارتقا سے معلوم ہوگا کہ جب انسان کو ارتقائے عقلی یا

معقول خیالات کے تصادم کی وجہ سے خواب جہل سے ہوش آیا تو اس نے مذہب وجودیہ میں ترمیم کی لیکن چونکہ مزمن امراض ایک دفعہ میں دور نہیں ہوتے اس کا اثر نفوس میں باقی رہتا ہی جس کی توضیح یہ ہے کہ مذہب ویدانتی وحدت وجودی کی بنیاد اصول کی بنا پر یہ سب کچھ وہی ہے اور جو کچھ کسی سے دنیا میں ہوتا ہے یہ اسی کا فعل ہی اور یہ ایسا ہی کرنے پر مجبور ہے اس اصول کا اثر دوسرے خیالات اختیار کرنے پر بھی باقی رہا ہندؤں میں تناسخی یہی کہتے ہیں کہ ہر شخص جو افعال کر رہا ہی وہ پچھلے کرموں کا نتیجہ ہے اور وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے کرسٹانیت کہتی ہے کہ گناہ انسان کی سرشت میں ہے کرسٹانی علم دین کہتا ہے انسانی فطرت گناہ گار ہے اور یہ پیدائشی داغدار ہے اس کا داغ دور نہیں ہوسکتا مگر خون میں (مصلوبیت مسیح کا یقین رکھنے سے (اس لیے کہ وہ کفارہ ہو گیا)

"قسیس ٹرٹولین" نے عورت کو مخاطب بنا کر کہا۔ "تم میں سے ہر ایک حوا ہے اس زمانے میں بھی خدا کا فرمان تمھاری اس صنف پر جاری ہی۔ ضرورتاً جرم بھی باقی رہنا چاہیے تم شیطان کا دروازہ ہو تم درخت ممنوعہ کو بے نقاب کرنے والی ہو تم اس خدائی حکم کی سہل توڑنے والی ہو۔ تم ہی نے صورت خدا کو خراب کیا۔

فخر الاسلام شیخ محمد صادق اعلی اللہ مقامہ نے انیس الاعلام ص۱۳ پر مراۃ الصدق مولفہ ٹامس انگلیس کا تھولک ص۳۳ سے نقل کیا ہے "وعاظ قدمائے ایشاں (پروٹسٹنٹ) این اقوال مکروہ بہ ایشاں تعلیم دادند (۱) آنکہ خدا موجد عصیان است (۲) انسان مختار نیست بر اجتناب از معصیت (۳) عمل بر احکام عشرہ غیر ممکن است (۴) گناہان کبیرہ اگرچہ بسیار بزرگ ہم باشند موجب نقصان انسان در نظر حق نمی شوند (۵) ایمان فقط موجب نجات انسان است زیرا کہ ما مخاطب بہ ایمان گردیدہ ایم (۶) اب اصلاح الدین لوتھر گفتہ است ایمان بیاورید وبس از روے یقین بدانید کہ از برائے شما نجات حاصل خواہد شد بلا مشقت صوم و بدون موونت تقویٰ و بلا مشقت اعتراف و بدون مشقت امور حسنہ و از برائے شما نجات یقینی است بلا شبہ ..... بجرأت تمام گناہ کنید و ایمان بیاورید فقط ہر چہ میخواہید گناہ کنید ایمان شما را نجات خواہد داد اگرچہ روزے ہزار مرتبہ مبتلا بزنا و قتل

بشوید شما کان بیاد رید وبس من بشما میگویم کہ ایمان بشما نجات خواہد داد"

"یہ نتیجہ ہے عقیدت وراثت گناہ اول کا اور بصورت جبر نمایاں ہے۔

"ٹیلر ایلیمنٹس آف میٹا فزکس" میں اختیار پر بحث کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "خدائی علم کی خدائی عدل سے موافقت کی مشکل کا ازالہ اس سے فرض کیا گیا کہ انسان مختار پیدا کیا گیا ہے اس لیے اس کے لیے اطاعت حکم الٰہی ویسی ہی آسان تھی اگر وہ اطاعت جیسا کہ گناہ۔ دراصل اس سے یہ اشکال حل نہیں ہوتا کیونکہ بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ آدم کے متعلق یہ جواب تسلی بخش ہی لیکن پھر یہ اشکال لاجواب رہے گا کہ ذریت آدم کے اختیار کو اصلی گناہ سے (جو اسے وراثتاً بقول نصاریٰ ملا ہی) کس طرح تطبیق کی جاوے زیادہ بحث قدریت جبریت ہے اس کے اس امر پر اجرا کرکے کہ انسان کا دل قدرۃً گناہگار ہے اور اس کی یہ جگونہ کی مفید ہے ہمارے اخلاقی معیار پر حملہ ور ہونے پر منطقی وجوہ رکھتی معلوم ہوتی ہے"

اسی بنا پر انگریزی شاعر "ٹیلر" کہتا ہے "اے خدا تونے آدم کو باغ عدن میں بنایا تونے ہی اسے پھسلایا اور وہ گرا" یہ خیال آگے بڑھتا ہے بعض مسلم حلقوں میں سے بھی یہ آواز اٹھتی ہے چنانچہ "فٹز گیرلڈ" نے عمر خیام کی ایک رباعی کا اس طرح سے ترجمہ کیا ہے "اے خدا جس راہ پر مجھکو چلنا تھا تونے اسے گڑھوں اور جالوں سے بھر دیا تو محیط شر مقدر کے ساتھ اس سے نہیں ہٹتا اور میرے گرنے کو گناہ کی طرف منسوب کرتا ہی" اس سے زائد واضح عمر خیام کی یہ رباعی ہے۔

من می خورم ہر کہ چو من اہل بود ۔۔۔ مے خوردن من بہ نزد او سہل بود
مے خوردن من حق ز ازل می دانست ۔۔۔ گر مے نخورم علم خدا جہل بود

عمر خیام بخیال خود علم خدا کو ذہن میں رکھ کر قائل جبر ہوا۔ اور جہم بن صفوان توحید کی آڑلے کر (کیونکہ اسکے نزدیک فاعلیت خدا ہی میں منحصر ہے) اور کوئی اور چیز کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی۔ اشعری کے نزدیک بھی قتل کا فاعل بندہ نہیں فاعل خدا ہی اور بندہ محل ظہور فعل خدا۔ عام مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے کہ بندوں کے افعال کا خدا

خالق ہے اور بندے کا رب ہے۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں "الانسان مجبور فی مختار" انسان صورت مختار میں مجبور ہے۔ شرح فقہ اکبر ص۵۱ میں ہے کہ "اس پر اتفاق ہے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف منسوب کیا جاوے کیونکہ تمام کائنات خدا کے ارادے سے ہی محض بعض نے تفصیل سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ برعایت ادب یہ نہ کہا جاوے کہ خدا کفر ظلم اور فسق کا بھی ارادہ کرتا ہے۔"

شاہ نجد کے تبلیغی رسالہ لمعۃ الاعتقاد ص۹ میں ہے کہ "خدا کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ کرتا ہے جس چیز کا ارادہ کرے کوئی چیز نہیں ہوتی مگر اسی کے ارادے سے اور کوئی چیز باہر نہیں، اس کی تقدیر سے اور وہ نہیں نکلتی ہے مگر اسی کی تدبیر سے جو کچھ لوح میں لکھا گیا اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا اس نے ارادہ کیا جبکہ خیال کرنے والا تھا اگر انھیں بچاتا تو وہ مخالفت نہ کرتے اور اگر وہ چاہتا کہ اس کی اطاعت کریں تو وہ اطاعت کرتے انسانوں اور ان کے افعال کو اسی نے پیدا کیا ہدایت کرتا جس کو چاہتا ہے اور گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی حکمت سے جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی بابت کوئی اس سے سوال نہیں کر سکتا۔ لیکن لوگوں سے سوال کیا جاوے گا۔"

اس سے زاید ابھرا ہوا نقش ویدانت کا شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر ص۱ میں ہے کہ "ابلیس گمراہوں کا سردار ہے جیسے ہمارے نبی ہدایت یافتوں کے رئیس ہیں اور نور صفت کمال کے ظہور کے لیے دونوں کا وجود ضروری تھا اس لیے شیخ ابو مدین مغربی نے فرمایا ہے یعنی باعتبار صفات خدائی تجلیات کے اس کی مصنوعات کے آئینوں میں وہی ویدانتی تجلی ہو رہی ہے۔

گزشتہ بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ مادیت نے کہیں خدا کو محسوس اور قابل اشارہ مادے میں منتقل کیا اور کہیں اسے آسمان پر بٹھال کر آسمانی باپ کے نام سے پکارا یہ ملا جلا عقیدہ جیسے ویدانت اور ہمہ اوست کا مجموعہ تھا بعض مسلمانوں کو بھی غیر مسلمین سے وراثتاً ملا چنانچہ مندرجہ ذیل عقائد سے ان کا پتہ چلتا ہے، لمعۃ الاعتقاد ص۶ میں ابو داؤد سے نقل کیا ہے کہ "خدا کا عرش آسمانوں پر ہے اور خود خدا عرش پر ہے اس کے بوجھ سے عرش سے ایسی آواز آتی ہے جیسے نئے زین پر سوار کے بیٹھنے سے" ص۲۲ میں ہے کہ امام اشعری نے فرمایا "ہم دیکھتے ہیں کہ تمام مسلمان دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ خدا عرش پر ہے

چونکہ آسمانوں پر ہے اگر خدا عرش پر نہ ہوتا تو یہ لوگ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے۔ ہم کو کچھ بحث نہیں جو چاہے جس طرح کا قیاس کرے لیکن ہم انسانی فطری خاصہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ انسان ہر ناگہانی بلا سے بھاگتا ہے جس طرف کا رخ ہوتا ہے لہذا وہ پناہ دہندہ خدا کو زمین میں منتہائے ارض پر قرار دیتا ہے یا اچانک سخت ترین آواز پر زمین پر اوندھے منہ سجدے میں گر جاتا ہے لہذا وہ خدا کو زمین کی کسی اندرونی تہہ میں ڈھونڈھتا ہے یہ بھی قیاس ہی تو ہے قیاس کو جب دلیل بنانا ہے تو جس طرح سے چاہے کہدو۔

(۱۲)

فلاسفہ مادیین اور مادیت کے ارتقائی منازل

جو کچھ فلسفہ سے مذکور ہوا پانچ سو سال قبل مسیح تک کا یہ مجمل خاکہ تھا جس میں "کسینوفین" کا ظہور ہوا جس نے وحدت وجود کی بنیاد ڈالی بعد کے آنے والوں نے بھی اس کی تائید کی خصوصاً "پرمندیس" اور "زینو" نے اول الذکر نے کہا نیستی سے ہستی نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز نیست ہو سکتی ہے عالم غیر مخلوق و غیر فانی ہے۔ حرکت اور دیگر تغیرات معمولی چیزوں کا تفرق اور وہمی چیزیں ہیں۔ زینو کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک دنیا کا تعددی نظریہ مہملات کا محتمل ہے۔ ان کے بعد "ہیراکلیطس" نے قدم مادہ کے نظریہ کو تو تسلیم کیا مگر اس نے استناد کے اضافہ اور تغیر پر زور دیا اور کہا تغیر کے دائرے موقت ہیں اور ہر دائرہ آگ سے شروع ہوتا اور آگ پر ختم ہوتا ہے۔ یہ ہے "خلقتنی من نار" کا دیرپا اثر۔ اس حکیم کا سب سے زائد قیمتی قول قدرتی و تاریخ کا نظم اور تمام تغیرات کا قدر و اندازہ سے ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ باقاعدگی عالمگیر عقل کی شہادت تھی ابتدائی مادہ میں یا اس کے پہلو بہ پہلو۔ تعددی نظریہ میں خیالات کا اضافہ ہوتا رہا۔ "انکساغورس" نے کہا ابتدائی مادہ ایک قسم کا نہیں بلکہ تخموں کے مختلف اقسام ہیں جن کے مختلف طور پر ترکیب پانے سے تمام اقسام کی مختلف اشیاء پیدا ہوتی ہیں۔ "آپمیڈ دکلس" جنے ابتدائی مادے کے مختلف تخموں کو اربعہ عناصر کی طرح چار میں محصور کیا اور ان کے اتصال و انفصال کے لیے دفع و جذب کے اصول کو وضع کیا۔ اسی حکیم نے سب سے

پہلے نقلئے اصلاح کی تجویز کی۔

"اتوما" کا نظریہ سب سے پہلے "لیوکریپس" نے بتایا یا عموماً یہ "ذیمقراطیس" کی طرف منسوب ہے اس کی رائے میں آخری حقائق صرف اجزائے لا یتجزے اور خلا (اکاش) ہے۔ کہا گیا ہے کہ ذیمقراطیس نے کہا کہ حکمار کے نزدیک شیریں و ترش سرد، گرم اور رنگ بھی ہے مگر درحقیقت اجزائے لا یتجزے اور خلا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک صفات ثانوی رنگ و بو وغیرہ وہم و خیال تھے۔ یہ بھی ویدانت ہی کا اثر تھا۔

ایرانیوں نے آڈینا کو فتح کیا تو وہاں کے فلسفی متفرق ہوئے یونان نے پھر اس شہر کو واپس لیا جس سے از سرِ نو چہل پہل ہو گئی اور دانشمند صوفیوں کی جماعت پیدا ہوئی بقول "پروتاغورث" ان کا یہ نظریہ تھا کہ انسان معیارِ اشیا ہے۔ اس کے بعد دورِ سقراط آیا اس نے صوفیوں کی طرح اخلاقِ انسانی سے دلبستگی پیدا کی اور علم پر زور دیا "ارسٹیپس اور "سائرنیکس" سقراط کے طریقِ حیات سے استفادہ کرتے یہ نظریہ بنایا کہ "فرحت ہی انجام اور معیارِ حیات ہے"۔

افلاطون نے ہیراکلیطس، فیثاغورث اور سقراط کے نظریوں میں تطبیق کی کوشش کی وہ سقراط سے اس امر میں متفق ہوا کہ علم ممکن ہے لیکن وہ ہیراکلیطس سے بھی متفق ہوا کہ عالم مشاہدے کے اشیا متغیر واقعات کی ہمیشہ بہنے والی ندی ہیں اس لیے ان کی نسبت عالمگیر سچائی بیان نہیں ہو سکتی بنا بریں وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ متغیر اشیا اس قابل نہیں کہ ان کا علم حقیقی علم ہو۔ دنیائے حواس حقیقت کی ادنیٰ قسم ہے۔ حقیقی علم ذاتِ قدیم (خدا) کی معرفت ہے۔ اس کے بعد ارسطو نے دنیائے حواس کی طرف بھی توجہ کی اور مادہ و ہیولی پر زور دیا اگرچہ افلاطون نے صرف صورت پر زور دیا تھا۔ ارسطو نے یہ بھی کہا کہ کوئی وجود ایسا بھی ہونا چاہیئے جس میں تغیر نہ ہو اسی نے علل اربعہ فاعلی۔ مادی۔ صوری غائی کو پیش کیا۔ خدا کے متعلق اس کا نظریہ اس طرح سے منقول ہے وہ خدا خالق نہیں کیونکہ مادہ اور صورت قدیم ہیں مادہ صورتیں اختیار کرتا رہتا ہے اور اس میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا تاہم کسی طریق میں تمام اشیاء خدا کی طرف کھنچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ خدا عالم کی خواہش کا مدعا ہے اور اس کی محض موجودگی سے اشیاء نشو کی اعلیٰ منازل کی خواہش کرتی ہیں۔ وہ کائنات کا غیر متحرک محرک ہے اور اسی کا عشق دنیا کو

گردش دے رہا ہے۔" اس کے بعد "ابیکیوریوں" اور "سٹوئک" کا دور ہے پہلا "اٹومک" اور دوسرا وحدت وجود ہی تھا۔ یہ اسکندریہ یونانیوں اور مشرقیوں کے ملنے سے ظہور پذیر ہوئے انھوں نے ارسطو کے مادہ اور ہیولا کے بجائے جسم و روح کا نظریہ بتایا اور تمام کائنات کے ایک جسم اور ایک روح ہونے کے قائل ہوئے، اور یہ کہا کہ تمام محدود اشیاء اسی ایک کا جز ہیں جس کو قدرت یا خدا کہتے ہیں۔ قدرت عالمگیر عقل سے الہام پاتی ہے۔ ان کا زبان زد قول "حیات مطابق نیچر تھا" انھوں نے وحدت وجودی کی بنا پر عالمگیر برادری کا اصل پیش کیا اور کہا کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور خدا سب کا باپ ہے۔

(۱۳)

مسیحیت کا فلسفہ اور سائنس سے تصادم

اور مادیت کے پہلے دور کا خاتمہ

مذکورہ دوروں میں سکندریہ میں علوم کی خوب ترقی ہوئی ۴۷ء قبل مسیح اسے رومنوں نے فتح کیا اس وقت علوم ظاہری کو زوال ہوا یہاں تک کہ مسیحیت پردہ پہ آگئی۔ "اے ولف" مسیحیت فلسفہ اور سائنس سے علانیہ طور پر متنفر تھی بعض متقدمین پادری مثل "ٹرٹولین"، نہ محض اپنے مذہب میں غیر فلسفی تھے بلکہ اپنی بیوقوفی پر نازاں تھے (معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کا یہ جملہ کہ خدا کی بیوقوفی ان کی حکمت سے اچھی ہے اسی عہد کی یادگار ہے) مسیحی کلیسا کا تمام رویہ فلسفہ و سائنس کے ساتھ معاندانہ تھا ۳۹۰ء میں "تھیوفیلیس" نے سکندریہ کے ایک کتب خانہ کو جلا دیا ۴۱۵ء "ہیتیا تھیوں" منجم کی لڑکی جو خود ریاضی کی معلمہ تھی مسیحی مذہبی دیوانوں کے ہاتھوں اسکندریہ میں بیرحمی سے قتل کی گئی اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ ۵۲۹ء میں مسیحی شہنشاہ "جسٹونین" نے فلسفہ کے تمام مدرسوں کو بند کر دیا اور اس طرح سے انسانی خیالات کی ترقی کا سب سے بڑا دور ختم ہوا اور مغرب کلیسا کو تاریک گڑھے میں ڈھکیل دیا۔

(۱۴)

مادیت کی مشرق میں آمد

یہ تھے قبل اسلام مادیت کے اسباب و علل اور یہ تھا اس کے عروج و زوال کا افسانہ "جستونین" نے مدارس فلسفہ کو تو بند کر دیا لیکن مادیت فنا نہ ہوئی کیونکہ مغرب میں بندش کے بعد اساتذہ ہجرت کر کے ایران و شام میں آ گئے جہاں وہ قتل و غارت سے محفوظ رہے۔ ان کی آمد سے ایران و شام میں فلسفہ کا شوق بڑھا جو اس سے بعد کی صدی میں اور تیز ہو گیا جب ۲۱ھ میں عربوں نے اسکندریہ کو فتح کیا۔ امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا صفحہ ۹ پر فرماتے ہیں کہ "۲۱ھ میں اسکندریہ اور نہاوند فتح ہوئے فتح نہاوند کے بعد ایرانیوں کی کوئی جماعت نہ رہی"

ہم زائد تفصیل سے اس بحث کو اس لیے چھیڑنا چاہتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حسب الارشاد رسول اُن کی امت کے تہتر فرقے کس طرح سے بن گئے اور یونان ایران رومیوں کے فلسفہ کا اثر اسلام میں کتنا گہرا ہوا اور اس سے حقیقی اسلام نے فائدہ اٹھایا یا نقصان اس بحث کے واسطے ہم بہترین کتاب تاریخ فلسفہ اسلام مصنفہ ٹی۔ جے دوبوئر کے اقتباسات پر اکتفا کریں گے اور کسی کسی مقام پر اپنی رائے کا بھی اظہار کریں گے۔ وہ کہتے ہیں مدینہ پہلے چار خلفاء رسول کا دارالحکومت تھا لیکن محمدؐ کے شجاع داماد علی اور ان کے بیٹے شام کے ہوشیار عامل معاویہ کے مقابل مغلوب ہو گئے اُس وقت سے فرقہ شیعہ پیروان علی کی زندگی کی تاریخ شروع ہوتی ہے اس فرقے نے بڑے بڑے نشیب و فراز دیکھے کبھی یہ مغلوب ہو جاتا تھا کبھی غالب بھی ہوتا تھا آخر کار ۱۵۰۲ء میں شیعوں کی سلطنت ایران میں قائم ہو گئی۔ دنیاوی طاقت کے خلاف جنگ و جدل میں شیعوں نے ہر حربے سے جو ان کے امکان میں تھا چنانچہ علم سے بھی کام لیا ہے ابتدائی زمانے میں ان میں سے کیسانیہ اٹھے جو علی اور ان کی اولاد کو مافوق البشری علم باطن کا حامل سمجھتے تھے بقول ان کے یہ وہ علم تھا جس نے وحی خداوندی کے اصل منشا کی توضیح کی۔ لیکن یہ علم بھی قرآن کے ظاہری الفاظ کی طرح اپنے مقلدوں سے اس بات کا طالب تھا کہ بے چون چرا

(غلط ہے قرآن بھی افلا تعقلون افلا تدبرون افلا تتفکرون بار بار غور و فکر کی ہدایت کرتا ہے اور تقلید آبائی سے روکتا ہے اور ائمہ کرام بھی سوال و بحث و تحقیقات کا حکم فرماتے ہیں۔ چنانچہ غیر اقوام سے ان کے مباحث اور خطبہ اور حدیثیں بین ثبوت ہیں حکومت وقت قید خانوں سے نکلوا کر حکماء و فلاسفہ سے بحثیں اور مناظرے کراتی تھی البتہ نافہم جاہلوں کو بحث سے روکا ہے اس لیے کہ اُن میں صلاحیت نہ تھی۔ دیکھو احتجاج طبرسی، احتجاج طوسی بحار الانوار وغیرہ) حاملان اسرار کی اطاعت کریں اور جو کچھ وہ کہیں اس پر آنکھ بند کر کے ایمان لادیں۔

امیر معاویہ کی فتح کے بعد دمشق اسلامی دارالسلطنت بن گیا مدینہ کی اہمیت محض ذہنی رہ گئی اُس کو اسپر اکتفا کرنا پڑی کہ یہودیت و عیسائیت کے زیر اثر فقہ و حدیث کی تفسیر و تدوین کرے (یہی وجہ ہے ائمہ کی فقہ و حدیث میں تفرقہ کی جنھوں نے کسی مذہب کے تخیل کو اسلام میں نہیں آنے دیا اور یہی ان کی مصیبتوں اور تکلیفوں کا باعث تھا)

لیکن دمشق میں بنی امیہ (۶۶۱ء سے ۷۵۰ء تک) سلطنت کرتے رہے جو بحر اوقیانوس سے ہندو ترکستان کی سرحد تک اور بحر روم سے کوہ قاف اور قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پھیل گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مفتوح قومیں فاتحوں کے یہودیت و عیسائیت مخلوط تعلیمات کو اختیار کریں مفتوح قوموں نے جن کا تمدن بہتر اور قدیم تھا فاتحوں کی زبان اختیار کر لی۔ شام میں لوگ عیسائی مدرسوں میں تعلیم پاتے تھے لیکن ذہنی تعلیم کا مرکز کوفہ اور بصرہ تھا جہاں عرب ایرانی مسلم عیسائی یہودی اور مجوسی ایک دوسرے سے ملتے تھے جن مقامات پر صنعت و حرفت کو فروغ تھا اور ایرانی اور مخلوط مسیحی یونانی اثرات سے اسلام میں علوم دنیا کی داغ بیل پڑی (قرآن و حدیث کی مخالفت کے موقعوں کو بھی نظر انداز کر دیا گیا) بنی عباس کا دور حکومت ۷۵۰ء سے ۱۲۵۸ء تک رہا ان کے درباروں میں بھی شمال مشرق کے صوبوں سے علماء و شعرا آتے اور عزت پاتے ہارون رشید کے عہد سے بغداد میں ایک کتب خانہ اور بیت الحکمت موجود تھا منصور کے زمانے سے یونانی کتابوں کے ترجمے شروع ہوئے اور مامون رشید کے عہد سے نہایت زوروں پر یہ کام شروع ہوا ۱۰۶۵ء میں بغداد یونیورسٹی قائم ہوئی۔ ماوراءالنہر کے علماء نے اس مدرسہ کی خ

سُنکر صف ماتم بچھا دی (اس لیے کہ اسلام کی تعلیمات نے پورا چولا بدل دیا تھا)

کلدانی حکمت پر بابل و شام میں سکندر اعظم کے زمانے سے یونانی اور اس کے بعد مخلوط یونانی مسیحی خیالات کا غلبہ ہوگیا تھا صرف شام کے شہر حیرو میں قدیم تہذیب اسلامی تک ثنیت عیسائیت سے غیر متاثر رہی سامی روایات سے زائد اہم وہ عناصر تھے جو مسلمانوں نے اور ہندوستانی حکمت سے لیے۔ ایرانی دوئی کا ملک تھا اور یہ قرین قیاس ہے کہ اس کے دوئی پرست مذہب کے درسوں کا اثر خواہ مذہب مانی کے توسط سے یا دوسرے غناسطی فرقوں کے ذریعہ سے اسلام پر پڑا تھا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں نے بھی ایرانی تصوف اور اسلامی باطنیت پر اثر ڈالا ہے لیکن فلسفہ اصل میں یونانی چیز ہے شام میں آر تو زکسی شاہی کلیسا کے پہلو بہ پہلو وحدت فطرت کا زور تھا (جس نے اسلام کے فرقہ صوفیہ پر قبضہ جمایا) اور ایران میں نسطوری کلیسا برسر اقتدار تھا خانقاہوں میں سب سے اہم چیز راہبوں کے مراقبوں کی زندگی تھی ایران کے خلفاء کے درباروں میں، شامی عیسائی ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے تھے۔ یعقوب اڈیسی جو تقریباً ۶۴۰ء سے ۷۰۸ء تک زندہ رہا) اس نے عیسائی پادریوں کے لیے جائز کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو بھی تعلیم دیں افلاطون کے نظریہ روح اور فلسفہ فطرت کا شامیوں پر زبردست اثر تھا۔ یہ بلیغ جملہ "اپنے آپ کو پہچان" سقراط کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اس کے معنی اشراقی تفسیر کے مطابق کئے جاتے تھے مسلمان اسے محمد کے داماد علی بلکہ خود رسول اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" اہل عرب مثل اور بہت سے علوم کے علم لسان کا بانی بھی علی کو قرار دیتے ہیں بلکہ کلام کی تقسیم میں اجزا ہیں جو ارسطو کی ایجاد ہے انھیں (علی) کی طرف منسوب ہے۔ فلسفیانہ درس کا اثر بصرے میں زیادہ نمایاں تھا اور وہاں نحویوں میں سے بہت سے شیعی یا معتزلی تھے جنھوں نے خوشی سے غیر ملک کی حکمت کا اثر اپنے عقائد پر قبول کر لیا (مصنف کتاب کی یہ غلطی ہے کہ وہ بصرے کو شیعہ نحویوں کا مرکز بتاتا ہے کبھی شیعوں کو بصرے میں زندگی آزادی سے میسر نہ ہوئی تاریخ شیعہ کو دیکھو اور جو شیعہ تھے بھی انھوں نے بھی غیر ملک کی حکمت کا اس وقت تک اثر قبول نہ کیا جب تک اس کو علوم قرآن و حدیث و اقوال ائمہ کی مزاحمت و مخالفت بعد غور و تامل ثابت نہ ہوئی)

متمدن ممالک کی فتح کے بعد اثرات سے مفتوحہ ممالک کی جن چیزوں کا قرآن و تیسیر میں کوئی انتظام نہ تھا اس کو رسم و رواج و ذاتی اختیار تمیزی کے مطابق برتا جاتا تمام عراق میں بہت دن زائد روما کا قانون چلتا رہا قرآن و حدیث کے بعد فقہا اپنی عقل و رائے کو دخل کرتے رہے یہ لوگ اہل الرائے کہلاتے ہیں اس ذاتی اجتہاد کی جب سختی سے مخالفت شروع ہوئی اس وقت حدیثیں جمع ہونا شروع ہوئیں اہل الرائے کے مقابلے میں جو عراق میں بکثرت تھے اہل حدیث کھڑے ہو گئے جن کے پیشوا امام شافعی ۷۶۷ء تا ۸۲۰ء تھے اس مناظرے سے منطقی خیال نے قیاس کو داخل کر دیا اور فقہ کی بنیاد کا ماخذ قیاس بن گیا اس منطقی اصول قیاس کو عام مقبولیت نہ ہوئی بلکہ قرآن و سنت کے بعد اجماع پر زور دیا گیا یعنی با ائمہ علمائے کا اتفاق رائے۔ اس گروہ کا مقابلہ کلیسا یا مسیحی متکلمین سے کیا جا سکتا ہے اس کو عام پسندیدگی ہو گئی قرآن و سنت و اجماع کے بعد قیاس بھی مانا جاتا تھا۔ علم فقہ کے یہی چار اساس ہو گئے تھے امام غزالی فرماتے ہیں فقہ اہل ایمان کی روح کی غذا ہے اور علم العقاید محض دوا کی حیثیت رکھتا ہے جو مریضوں کے کام آتی ہے۔

اخلاقیات میں یونانی فلاسفہ کا اثر اسلامی اخلاقیات پر دو طرح کا تھا اکثر نئے فرقوں نیز اہل باطن میں خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد فیثاغورثی افلاطونی رنگ کے اخلاقی خیالات ملتے ہیں لیکن مقلدوں کے حلقے میں ارسطو کا یہ قول کہ نیکی عین وسط میں ہوتی ہے بہت سنا جاتا ہے لا شیعہ مذہب میں سیرت رسول و سیرت ائمہ کے سوا کسی اخلاق کی گنجائش نہیں ہے۔

علم العقائد۔ مسلمانوں کو قرآن سے دین ملا تھا علم دین نہیں شروع ملی تھی مگر ادعائی عقیدہ نہیں لیکن مفتوحہ ممالک میں انھیں مدون و مرتب مسیحی نظام ادعائی زرتشتی نظام اور برہمنوں کے نظام سے سابقہ پڑا لیکن سب سے زائد اثر مسیحی خیالات کا اسلامی علم العقاید پر پڑا مسلم ادعائی عقیدہ کی نشو و نما دمشق میں عیسائیوں کے ارتھوذکی نظام اور وحدت فطرت کے نظام سے اور بصرے بعد بغداد میں نسطوری اور غناسطی نظریوں سے متاثر ہوئے شخصی تعلقات اور مکتبی تعلیم کی بدولت عیسائیوں سے مسلمانوں نے اہم اثرات قبول کئے۔

اسلام کے قدیمی عقائد اور مسیحیت کے اذعانی عقاید میں اس قدر مشابہت ہے کہ دونوں کے بلاواسطہ تعلق سے انکار نہیں ہوسکتا پہلے غناسطی نظاموں کے اثر سے اس کے بعد کتابوں کے ترجمے کے ذریعہ سے یونانی مسیحی خیالات کے ساتھ چند خالص فلسفیانہ عناصر بھی شامل ہوگئے۔ قدریہ کے جانشین معتزلہ کے عقلی نظام کو سب سے زائد اشاعت شیعوں میں ہوئی (مصنف کو علوم شیعہ اور تاریخ کی نادانفیت نے یہ دھوکا دیا ہے بلکہ شیعوں کا تو اعتقاد ہے کہ انسان کے لیے قرآن نے نظام علمی قائم کیا اور رسول نے علم و عقل کو اول ہادی قرار دیا ائمہ ہدی نے اس نظام علمی کی ترویج و اشاعت کی اور کتاب احادیث شیعہ نے سرمایہ احادیث کا اسی کو سرمایہ بنایا دیکھو اصول اربعہ مائتہ ائمہ ہدی کے شاگردوں کے تصانیف جن سے کلینی رحمۃ اللہ تھے ۳۲۹ھ کی کتاب کافی صدوق المتوفی ۳۸۱ھ کی من لا یحضر اور اکمال الدین احباب الصفا امالی وغیرہ وغیرہ تین سو تصانیف محقق طوسی المتوفی ۴۶۰ھ کی تہذیب الاحکام و استبصار وغیرہ شیعوں کو اسی پر فخر ہے کہ باوجود سخت ترین کشمکش حیات کے وہ اپنے علوم کو ہر غیر فرقہ اور ہر تعلیم سے جو فلسفیوں یا مذاہب غیر کی آمیزش سے بر بنائے عقل ہی محفوظ رکھ سکے اس وقت یہ قدریہ تھے نہ جبریہ نہ معتزلہ حسب ائمہ معصومین حفظ تعلیمات رسول کر رہے تھے اور یہی جرم ان کا شہادت و قید کا بہانہ تھا) قریب قریب اسی زمانے میں اہل حدیث نے ایک نظام عقائد کی تدوین کی اور عوام کے عقائد و متکلمین کے غناسطی خیالات کے متعلق درمیانی مصالحت کی کوشش شروع کی اور معتزلی خیالات کی روحانیت کے مقابلے میں یہ لوگ ذات الٰہی کی نسبت تشبیہی خیالات رکھتے تھے یعنی اُسے انسانی صفات سے متصف کرتے تھے اور علم الانسان اور علم الکائنات میں مادیت کے قائل تھے روح کو مجسم یا جسم کا عرض مانتے تھے اور ذات الٰہی کا تصور جسم انسانی کی صورت میں کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی صورت کے متعلق بد مذاقی سے موشگافیاں کرنے کی ان کے یہاں بھی کمی نہ تھی سوائے ڈاڑھی اور چند چیزوں کے جو مشرقی مردوں کے لیے مخصوص تھیں تمام اعضائے جسمانی منسوب کر دیے۔ (ہم معتزلہ کے عقائد میں سے صرف اُن عقائد کا اقتباس تاریخ فلسفہ اسلام سے کریں گے جو شیعوں کے نقطۂ نظر سے غلط ہیں) ابتدائی عہد کے معتزلہ کہتے تھے خدا برا یا دانائی کے خلاف کام کر سکتا ہے مگر کرتا نہیں۔ انھیں سے اکثر معتزلی آسمان سے اتری ہوئی کتاب

پر عقل کو ترجیح دیتے تھے۔ ابو الہذیل (بصری) معتزلی قیامت کے دن خدا کے دیدار روحانی یا ذہنی کا قائل تھا۔ ارادہ الٰہی کو وہ ابدی نہیں مانتا۔ حشر اجساد کا غالباً وہ بالکل قائل نہ تھا۔ نظام المتوفی ۸۴۵ء ارادہ الٰہی کو ذات الٰہی سے منسوب نہیں کرنا چاہتا۔ روح و عقل انسانی کو وہ جسم دار سمجھتا ہے۔ البتہ اجماع و قیاس کا وہ مثل شیعوں کے مخالف ہے قرآن کے بے مثل ہونے کا وہ زائد قائل نہیں اور عذاب و ثواب کے عقیدے کا بھی وہ زائد قائل نہ تھا۔ معمر صفات الٰہی کا منکر ہے نہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے نہ کسی دوسرے کو۔ ابو ہاشم بصری المتوفی ۹۳۳ء صفات الٰہی و مطلق اسمائے جنس کو عدم و وجود کی درمیانی متوسط اشیا کا درجہ دیتا تھا۔ اشعری ۸۷۳ء میں پیدا ہوئے وہ بھی دیدار خدا کے امیدوار رہے مسلم متکلمین نظریہ جوہر فرد کے قائل تھے۔ علم کلام سے سب مسلمان مطمئن نہ تھے خدا تک رسائی بدون عبادت بھی ممکن سمجھی جاتی تھی اس خیال کو مسیحی ایرانی اور ہندو اثرات سے تقویت پہونچی اسی سے صوفیہ گروہ پیدا ہوا اس گروہ نے شام اور مصر کی مسیحی خانقاہوں اور ہند کے نفس کشوں کی یاد تازہ کردی (اسی لیے ہند میں خوب پھلا پھولا) اسی سے باطنیت کا نظریہ پیدا کیا اور ایسے (پیر و ولی و فقیر) لوگ پیدا کردیئے جو خدا اور انسان کے مابین واسطہ بنتے تھے۔ یہ لوگ تو فلاطونی مسائل اور کچھ ڈیونیسیوس سے منسوب جعلی کتابوں سے اور کچھ ہراتیوس کے مشتبہ ماخذ سے کام لے کر کام نکالا اور ان پر ہندوستان کے یوگ کا بھی اثر پڑا تھا وہ ہمہ در ہمہ کے قائل ہوئے اور اس سے ملحدانہ کائنات پرستی کا نشو و نما ہوا جس نے دنیا کو فریب نظر اور نفس انسانی کو خدا بنایا اس طرح وحدانیت وحدت ہوگئی اور ہمہ از اوست ہمہ اوست بن گیا روح انسانی کی حقیقت سے انھوں نے انکار کردیا متکلمین نے کائنات اور انسان کو مشیت خدا میں ضم کیا تھا صوفیہ نے اسے عین ذات میں جو جو سراپا نور اور سراپا محبت ہے فنا کردیا اکثر صوفی علم العقائد کی بہت کم پرواہ کرتے تھے اور ان کے راہبانہ اخلاق اکثر عیش پرستی کا رنگ اختیار کر لیتے تھے۔

فلسفہ طبعی۔ اقلیدس و بطلیموس بقراط و جالینوس اور ارسطو کے بعض تصانیف اور اشراقی و فیثاغورثی مصنفوں کی کثیر التعداد کتابیں عربوں کے فلسفہ طبعی کا سرمایہ ہیں جو زیادہ تر

حران کے صابیوں کے توسط سے شیعوں اور دوسرے فرقوں کو پہونچا صحیح ہے لیکن اُس کا اثر قرآن وحدیث پر کچھ نہیں پڑا جو شیعوں کے مسلک کو بدلتا ان کے پاس کافی ذخیرہ ہر علم کا قرآن وحدیث سے موجود تھا جس کو ہماری فلسفۃ الاسلام کی جلدیں واضح کردیں گی کہ طبعیات ہوں یا دوسرے فلسفی شعبے سب کے سب قرآن واحادیث کے فلسفے کے آگے مات کھا گئے اور سیکڑوں ایسے نظریۂ فلسفی قرآن وحدیث نے پیش کردیے ہیں جو اب تحقیق جدید ثابت کررہی ہے اور بعض اب تک اسرار غیر منکشفہ ہیں جو آیندہ ثابت ہو کر رہیں گے حکمائے متقدمین کے بگڑے ہوئے فلسفہ کی قرآن وحدیث نے اپنے زمانے میں بہت اصلاح کی جس طرح سے عرب جاہلوں کی تمدنی اصلاح کی) مسلمانوں نے تمام دنیا سے علم حاصل کیا (اس لیے کہ قرآن وحدیث کی عام اجازت تھی قرآن بتاتا ہے جس نے حکمت حاصل کی اس نے خیر کثیر پا لیا رسول حدیثیں تھیں علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے) اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ حکمت وفلسفہ حاصل کرکے قرآن وحدیث پر ہاتھ صاف کرو بلکہ اس لیے تاکہ فلسفی مذاق پیدا ہو فلسفہ اسلام کے سمجھنے کی تم میں صلاحیت پیدا ہو اور جہالت سے حقائق کا انکار نہ کرو اور حکمت وفلسفہ کی روشنی میں حقائق اسلامی کو سمجھو اور امیر المومنین حضرت علی سے یہ قول منقول ہے۔ حکمت مومنوں کی کھوئی ہوئی چیز ہے اُسے واپس لو خواہ کافروں ہی سے کیوں نہ ملے" فلسفہ اسلام میں خدا کو بدیہی طور پر ریاضی کی اکائی قرار دیا تھا جو ہر چیز کا مبدء ہے وہ خود عدد نہیں ہے لیکن تمام اعداد کی علت ہے ہیئت ونجوم میں ایسے نظریات پیدا کردے جو وحی الٰہی کے خلاف تھے ستاروں اور کروں کی روح یا عقول صاحب ادراک اور ارادہ تھے اور قدرت الٰہی کے قائم مقام تھے ان کے حرکات خیر وشر کی علت تھے ان کا عقیدہ تھا کہ کواکب اوضاع کا اثر ابدی قوانین کے مطابق واقعات دنیا پر پڑتا ہے اور اُن سے آیندہ کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ سائنس کے میدان میں مسلمانوں نے معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کرلیا کیمیا گری ہوتی تعویز ونقوش کے اثرات کا امتحان ہوتا انسانی وحیوانی روح پر موسیقی کے اثر کی تحقیق ہوتی قیافے کے مشاہدات خواب کی حقیقت پر فالی اور پیشین گوئی ہوتی تھی عالم قدیم سمجھا جاتا۔ نوع انسان بھی قدیم ہے۔ دنیا میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی۔

فن طب میں بھی مسلمانوں نے خوب ترقی کی ذکریا رازی المتوفی سنہ ۹۳۲ء ہے جس کے نزدیک اس کے نظام کے پانچ اصول ہیں جو اس کے نزدیک قدیم ہیں خالق کل، عقل کل، مادہ اولی، مکان مطلق، یا ازلی دوران یہ پانچوں عالم واقعی کے وجود کے ناگزیر شرائط ہیں منفرد حیات مادے پر دلالت کرتی ہیں اشیا کی باہمی نسبت مکان کے وجود کا پتہ دیتی ہیں وہ تغیرات جن کا ہمیں احساس ہوتا ہے زمانے کے وجود ماننے پر مجبور کرتا ہے جاندار وں کے وجود سے روح کا وجود ثابت ہوتا ہے اُن میں سے جن کو عقل عطا ہوئی ہے اس لیے ہم لامحالہ ایک عاقل و دانا خالق پر ایمان لاتے ہیں جس کی عقل نے ہر چیز کی بہترین ترتیب و تنظیم کی ہے باوجود اس کے وہ خدا کو خالق مانتا تھا وہ آفرینش عالم کی تاریخ بھی بتاتا ہے۔ پہلے ایک بسیط خالص عقل کا نور پیدا کیا گیا جس سے کل عقول بنیں یہ سب نور آسا بسیط معقول جوہر ہیں نور اول یا عالم بالا جہاں سے عقول نازل ہوتی ہیں عقل کا نور الفوز بھی کہلاتا ہے نور کے بعد سایہ بھی پیدا ہوا جس سے روح عقلی یا عقل کی خدمت کے لیے نفس پیدا ہوا یا روح حیوانی پیدا ہوئی لیکن بسیط ذہنی نور کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے ایک مرکب بھی موجود تھا یہ جسم ہے جس کے سایہ سے چار طبعیتیں خشکی تری گرمی سردی نمودار ہوئی پھر ان چار طبعیتوں سے تمام اجسام ارضی و اجرام سماوی بنے لیکن یہ سب ازل سے ہو رہا ہے اور اس کی کوئی زمانی ابتدا نہیں ہے کیونکہ خدا کبھی فعالی سے دور نہ تھا۔ نویں صدی کے نصف آخر میں سلطنت عباسیہ کے مٹانے کی غرض سے قرامطہ پیدا ہوئے جن کا سردار عبد اللہ بن میمون تھا یہ جسم کو ذلیل مادی چیزوں کے حقیر سمجھنے اور اپنی جماعت کے لوگوں میں املاک مشترک ہونے کی تعلیم دیتا تھا (موجودہ اشتراکیت اسی کا تتبع ہے) جماعت میں اس کے مختلف طبقے تھے خدا عقل نفس مکان اور زمان کے سلسلہ مراتب کے لحاظ سے تاریخ عالم میں تنزیل وحی کے مختلف درجے سمجھے جاتے تھے اور یہی مدارج جماعت کے نظام میں ملحوظ رکھے گئے تھے ان کی جدوجہد کا مرکز کوفہ اور بصرہ تھا ان کا عقیدہ تھا جب انسان پچاس سال عمر سے گزرتا ہے تو اُسے فرشتوں کی طرح حقائق اشیا کی معرفت ہوتی ہے اس وقت انسان قانون طبعی حکمت و شرع سے بالاتر سمجھا جاتا ہے یہ اخوان الصفا پچاس رسالہ مختلف موضوعوں پر مختلف

لوگوں کے ہیں یہ باطن پرستانہ ساحرانہ انداز سے عرفان الٰہی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اس میں اول سے آخر تک ایک مظلوم فرقے کی فریاد کا رنگ ہے اور سیاسی پہلو صاف نمایاں ہے۔ ان لوگوں کی جد و جہد کا وہ زمانہ تھا جب خلافت بغداد اپنی دنیوی طاقت شیعہ خاندان آل بویہ کی طرف منتقل کر چکی تھی (۹۴۵ء) اس واقعہ سے رسائل اخوان الصفا کی اشاعت میں آسانی ہوئی کیونکہ اس میں شیعہ اور معتزلہ کے تعلیمات و فلسفہ کو ملا کر ایک عام پسند نظام بنایا گیا تھا اخوان الصفا خود اپنی زبان سے انتخابیت کا اعتراف کرتے ہیں وہ تمام اقوام و مذہب کی حکمت کو جمع کرنا چاہتے تھے نوح ابراہیم سقراط افلاطون زرتشت عیسیٰ محمد و علی ان کے پیغمبر ہیں سقراط و مسیح اور ان کے حواریین و فرزندان علی کا احترام اس حیثیت سے کیا جاتا تھا کہ وہ عقلیت کے عقیدے کی حمایت میں شہید ہوئے ان کے فلسفے کا یہ مقصد ہے کہ جہاں تک انسان کے لیے ممکن ہے اس کی روح خدا کی مماثل ہو جائے ستاروں کے متعلق اُن کا عقیدہ ہے کہ وہ دنیا میں ہونے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں اور تمام حوادث کائنات پر ان کا بلا واسطہ اثر بھی پڑتا ہے بعض ستارے نحس اور بعض سعد ہیں۔ اخوان الصفا کے منطقی خیالات فرفوریوس کے دیباچے اور ارسطو کے قاطیغوریاس۔ باری ارمیناس۔ اور انالوطیقا سے ماخوذ ہیں وہ آفرینش کا ذکر اس طرح سے کرتے ہیں اول خدا پھر عقل فعال، عقل منفعل یا نفس مطلق۔ مادہ اولیٰ۔ طبیعت فعال نفس مطلق کی ایک قوت۔ جسم مطلق جسے مادہ ثانیہ بھی کہتے ہیں۔ عالم افلاک۔ تحت قمری دنیا کے عناصر اربعہ۔ ان عناصر سے مرکب معدنیات نباتات حیوانات یہ آٹھ خدائے واحد مطلق کو ملا کر جو ہر چیز میں ہے اور ہر چیز کے ساتھ ہے اعداد اصلی کے مساوی تو اصلی ہستیوں کا شمار پورا کرتی ہے۔ اخوان الصفا عیسوی اور زرتشتی مذہبوں کو وحی الٰہی کا زائد مکمل مظہر سمجھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ محمد صحرا نشین جاہل قوم پر نازل ہوئے قرآن کی اصطلاحات میں مادیت کا رنگ زائد ہے یہ عرب کی سمجھ کے انداز سے اختیار کی گئی تھیں اعلیٰ تعلیم یافتوں کا کام ہے کہ اُن میں روحانی تاویل کریں۔ قہر خداوندی دوزخ وغیرہ اُن کے نزدیک خلاف عقل ہے ان عقائد سے روح کو تکلیف ہوتی ہے جاہل گنہگار روح کے لیے اسی زندگی میں اُس کا جسم دوزخ ہے حشر کے معنی ہیں جسم اور روح کی

مفارقت اور حشر کبریٰ روح مطلق سے جدا ہو کر خدا کی طرف رجوع کا نام ہے خدا تک پہونچنا تمام مذاہب کا مقصد ہے۔

مشرق کے اشراقی اور ارسطاطالیسی حکماء میں ایک کندی ہے وہ ایرانی تمدن اور یونانی حکمت کی قدر بہ نسبت اسلامی عقائد زائد کرتا تھا کندی خالق کائنات خدا کو سمجھتا ہے لیکن آفرینش کے فعل میں خدا اور عالم کے درمیان اوپر سے نیچے تک بہت سے وسائط کا قائل تھا وہ کہتا ہے اعلیٰ حقیقت اور فعالی کی قوت عقل میں ہوتی ہے مادے کی وہی شکل اختیار کرنا پڑتی ہے جو عقل چاہتی ہے ربانی عقل اور مادی جسم کے درمیان عقل کل کا درجہ ہے اسی نے کرات سماوی کی دنیا کو پیدا کیا ہے ہمارا نفس ایک بسیط لافانی جوہر ہے جو عالم معقول سے عالم محسوس میں اترا ہے لیکن اسے ابھی پہلی حالت یاد ہے اس کے نزدیک عقل کی چار قسمیں ہیں پہلے وہ عقل جو دائمی حقیقت رکھتی ہے اور کائنات میں تمام معقولات کی علت و اصل ذات ہے یعنی خدا یا عقل اول دوسرے عقل بحیثیت نفس انسانی کے معقول عنصر یا قوت کے۔ تیسرے عقل بحیثیت نفس کی حقیقی جبلت یا ملک کے جس سے نفس ہر لمحہ کام لیتا ہے چوتھے عقل بحیثیت فعل کے جس سے وہ حقیقت جو نفس میں ہے خارجی موجودات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے حقیقی عقل ہمیں عالم بالا سے ملی ہے اس لیے عقل سوم عقل مستفاد کہلاتی ہے عقل کا نظریہ کندی نے سکندر آفریدوسی سے لیا ہے یہ مثل ارسطو اور آفریدوسی کے کہتا ہے کہ دنیا در اصل بالفعل نہیں بلکہ بالقوۃ قدیم ہے حرکت کو دوام ہے۔

دسویں صدی میں فارابی تھا جو مسیحی یوحنا ابن حیلان کا کچھ دن شاگرد رہا وہ ارسطو اور افلاطون کو اولوالامر قرار دیتا ہے جس بات پر یہ دونوں متفق ہوں تمام مسلمانوں کے عقائد سے وہ ان دونوں کی رائے کو زاید وقعت دیتا ہے فلسفہ اس کے نزدیک حقیقت اشیا کا علم ہے جسے حاصل کر کے انسان خدا سے مشابہ ہو جاتا ہے فارابی کے نزدیک تمام اشیا یا واجب ہیں یا ممکن جو وہ حادث اور قدیم کے مقابلے میں استعمال کرتا ہے وہ واجب الوجود کو علت سے بری سمجھتا ہے وہ واجب کامل قدیم موجود اور کافی ہے تغیر سے بری ہے عقل مطلق اور خیر محض ہے خود ہی عالم اور خود ہی معلوم ہے اور اپنے حسن لازوال اور خیر بے مثال پر اپنی شیدا ہے

اس کے پاس ازل سے اشیاء کے نمونے یا صورتیں موجود ہیں اور ہمیشہ اس کی ذات سے اس کی شبیہ پیدا ہوتی ہے جو مجازی کل یا عقل اول کہلاتی ہے اور بیرونی افلاک کو حرکت میں لاتی ہے اس عقل سے ایک دوسری کے واسطے سے آٹھ عقول افلاک پیدا ہوئی ہیں جو اپنی جنس یکتا کامل اور اجرام سماوی کی خالق ہیں یہ نو عقول جو ملائکہ آسمانی کہلاتی ہیں مل کر وجود کا دوسرا درجہ بناتی ہیں تیسرے درجہ پر انسانوں کی عقل فعال ہے جو روح القدس بھی کہلاتی ہے اور ارض و سما کے درمیان ربط پیدا کرتی ہے چوتھے درجہ پر نفس ہے عقل اور نفس دونوں خالص وحدت کی حالت میں باقی نہیں رہتے بلکہ ان پر کثرت کا اثر ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کی ہستی عالم کثرت کا ایک جزو ہے پانچویں اور چھٹے درجہ کی ہستیاں صورت اور مادہ ہیں یہاں آکر معقول ہستیوں کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اول تین مدارج یعنی خدا عقول افلاک اور عقل فعال غیر مجسم ہیں لیکن ان کے بعد کے تین مدارج نفس صورت اور مادہ گو غیر جسم ہیں تاہم انھیں جسم سے بھی علاقہ ہے بعض ستارے سعد ہیں بعض نحس آسمان کی طبیعت ایک ہے اور ہر جگہ یکساں سعد ہیں نفس جسم کی مکمل صورت ہے لیکن نفس کی تکمیل عقل سے ہوتی ہے عقل ہی اصل انسان ہے عقل انسانی غایت اور اس کی سعادت یہ ہے کہ وہ عقل افلاک سے واصل ہو جاوے اور اس طرح خدا سے قربت حاصل کرے فارابی جبر کا قائل ہے یہ افلاطون کو عبائے محمد مصطفیٰ رسالت کی اڑھاتا ہے۔ ترتیب سے دیکھا جاوے تو خدا کائنات مختلف ہے لیکن چڑھتے ہوئے سلسلے میں روح پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ یہ عالم اور عالم آخرت ایک ہے کیونکہ ہر چیز میں خدا موجود ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خدا کی ذات واحد میں کل کائنات شامل ہے یہ بھی ہمہ اوست کا قائل ہے۔

دسویں صدی کے اختتام اور گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ابو علی ابن مسکویہ ہے وہ کہتا ہے کہ صرف چند لوگ ایسے ہیں جو طبعاً نیک ہیں اور کبھی بد نہیں ہو سکتے (یہ عصمت کا قائل ہے) اور ایسے بہت ہیں جو بد ہیں نیک نہیں ہو سکتے فطرتاً لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو ابتدا میں بد ہوتے ہیں تعلیم اور صحبت کے اثر سے آئندہ نیک ہو جاتے ہیں۔

ابو الحسین ابن عبداللہ ابن سینا ۹۸۰ء میں پیدا ہوا یہ بجز خدا ہر شئے کو ممکن

قرار دیتا ہے یہ عقل کے گورکھ دھندے میں گرفتار رہے واحد اول سے صرف ایک ہی چیز پیدا ہوتی ہے یعنی کائنات کی عقل اول اس سے کثرت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح سے عقول کی پیداوار دنیا بھر پیدا ہوی خدا بجائے ہر چیز پر قادر ہونے کے صرف اُن چیزوں پر قدرت رکھتا ہے جو بالذات ممکن ہیں۔ اور بلا واسطہ صرف عقل اول پیدا کر سکتا ہے نیک و بد سب کچھ خدا کی طرف سے ہے خدا اور عقول کو صرف کلیات کا علم ہے لہذا وہ جزئیات کا بندوبست نہیں کر سکتے سب اجسام ستاروں کی تاثیر عناصر کی ترکیب سے پیدا ہوتے ہیں۔ انسان حادث تو ضرور ہے لیکن بحیثیت ایک بسیط ہستی اور منفرد جوہر کے فساد و فنا سے بری ہے۔ اس کے نزدیک احکام و ریاست کے قوانین صرف عامۃ الناس کے واسطے واجب العمل ہیں یہ اپنے کو روشن ضمیر دیوتا سمجھتا ہے اور انسانی قوانین سے آزاد ہے رسول کا مقصد بدوؤں کو مہذب بنانے کا تھا محض اس لیے انھوں نے حشر اجساد کی تعلیم دی خالص عقلی سعادت کو بدو نہ سمجھ سکتے تھے اس لیے ان کی تربیت الم و راحت جسمانی کے وعدہ و وعید سے کی گئی سچے خدا پرست سوا ذات احدیت کسی چیز کی تمنا نہیں رکھتے امید و بیم سے آزاد ہیں ان کے حصے میں عقل کی آزادی آئی ہے اس کا شاگرد ابوالحسن بہمن یار ابن مرزبان کے نزدیک خدا بسیط غیر معلول علت واجب الوجود ہے کوئی جیتی جاگتی ذات جو قادر مطلق و خلاق ہو وہ عالم کی علت ضرور ہے لیکن معلول کا وجود علت سے غیر منفک ہے ورنہ علت مکمل نہ ہوتی ذات احدی کا دنیا سے مقدم ہونا زمانہ کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ حقیقت ذات کے لحاظ سے ہے یہ عقول فلکیہ مادہ اول ارواح انسانی کو غیر فانی بتاتا ہے۔

مشرق میں فلسفے کے انحطاط کے وقت امام غزالی نے نئے تحقیقات شروع کی اور فلاسفہ کی رد پر کمر باندھی ان کے چند تحقیقات کا نمونہ بھی سنیئے توجہ اور شعور ذات میں در اصل ارادہ کام کرتا ہے اور اس طرح علم الٰہی بھی اس کی ذات کے اندر اصلی اور قدیم ارادے میں آ کر مل جاتا ہے۔ جلوہ الٰہی زائد روشن نفس ہی میں نظر آتا ہے نفس خدا کا مثل تو نہیں ہے لیکن اس سے کچھ مشابہت رکھتا ہے جب تمام خارجی اشیاء میں عجیب و غریب تغیر پیدا ہوتا ہے جو چیز بظاہر خارج میں ہے وہ ہمارے نفس کی کیفیت یا صفت بن جاتی ہے اور نفس کو خدا کے ساتھ اتحاد کا

احساس ہوتا ہے۔

گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں ابوبکر محمد بن یحییٰ ابن باجہ پیدا ہوئے اُن کا نظریہ یہ ہے کہ عقل انسانی کی تکمیل اسی معقول علم سے ہوتی ہے نہ کہ باطنی مذہبی تخیلات سے جزئی عقل انسانی کا اس زندگی کے بعد باقی رہنا قابل قبول نہیں ہے عقل یعنی نفس کا معقول حصہ سب انسانوں میں ایک ہے۔ بقا صرف اس نوع انسانی کی عقل کو ہے جو اپنے مافوق عقل فعال سے واصل ہونے کے بعد ہوتی ہے

ابن رشد ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا علم دین کا وہ مخالف تھا اس کے نزدیک یہ علم اُس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے جو اس طرح ثابت نہیں ہوسکتی تنزیل قرآن کا مقصد اس کے نزدیک لوگوں کو تعلیم دینا نہیں اصلاح کرنا ہے۔ وہ عالم کو مخلوق مانتے ہوئے قدم عالم کا قائل ہے دنیا بہ حیثیت مجموعی قدیم واجب واحد ہے اس میں امکان یا عدم تغیر کی گنجائش نہیں ہے تخلیق و تقدیم دنیا میں نہیں ہوتی کیونکہ حادثہ قوت سے فعل کی طرف منتقل ہوتے اور پھر فعل سے قوت کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے اس میں ہر چیز ہمیشہ اپنے مثل کو پیدا کرتی ہے۔ قدیم نظام کائنات میں وہ قدیم حرکت کے وجود کا قائل ہے اس لیے محرک کی قدامت کا بھی ماننے والا ہے وہ اس لیے دنیا کو قدیم اور غیر ممکن قرار دیتا ہے۔ محرک اول یا خدا اور کرات عقول افلاک کی کنہ اس کے نزدیک صرف خیال ہے اور اسی میں اُسے وحدت وجود نظر آتی ہے۔ ذات احدی کی ثبوتی تعریف یہی ہوسکتی ہے ایک خیال جو اپنا آپ ہی موضوع ہے یہی خیال وجود بھی ہے اور یہی وحدت بھی ہے اور ان کا وجود صرف خیال میں ہے خدا نہ کلیات کا ادراک کرسکتا ہے نہ جزئیات کا کیونکہ وہ دونوں سے بالا ہے خدا تمام اشیاء کا جوہر سب کی صورت اصلی سب کی علت غائی ہے وہ خود ہی نظام عالم ہے عقول افلاک جتنے عقل اول سے دور ہوتی ہیں اُتنی ہی ان کی بساطت میں کمی ہوتی ہے یہ سب اپنی ذات کا علم رکھتی ہیں علت العلل کے واسطے سے۔ عقل مادی بھی مثل عقل محض یا عقل فعال کے ابدی و لافانی عقل ہے جس کی ہستی انسانی ہستی کے مافوق ہے اور عقل مادی ابدی جوہر ہے اور ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

ابن رشد کا نظام میں ملحدانہ نظریوں کی وجہ سے اپنے زمانے کے تین عالمگیر مذہب کا مخالف ہے اول مادی دنیا اور اسکو حرکت دینے والی عقول کو قدیم مانتا ہے۔ دوسرے دنیا کے تمام واقعات کو علت و معلول کے سلسلہ کا پابند سمجھتا جس کے سبب سے خرق عادات و معجزہ وغیرہ کی گنجائش نہیں رہتی تیسرے تمام منفرد چیزوں کو فانی کہنا جس کے مطابق انسانی افراد کے بقائے نفس کا عقیدہ غائب ہو جاتا ہے۔ اصل میں عقول کے ماننے کی غرض یہ تھی کہ ان لوگوں کو نظام عالم کی وحدت کا علم حاصل نہ ہوا تھا اس لیے وہ عقول جیسے حوادث کی توجیہ کرتے تھے جب بطلیموسی نظام پر ماہر ہوا تو عقول جو واسطے کا کام دیتے تھے یہ بھی ختم ہو گئے۔ یہ عورتوں کو بھی ریاست و معاشرت میں دخل ہونے کا سختی سے موید ہے۔ یہ کسی کام کی اچھائی اور برائی کی علت مرضی الٰہی کو نہیں قرار دیتا بلکہ عقل و فطرت کی رو سے سمجھتا ہے یہ مذہب کو علم نہیں سمجھتا قانون سمجھتا ہے اور فلسفہ کی فرمانروائی کا قائل ہے۔ مغرب کے علمائے دین نے اپنے مشرقی بھائیوں کی طرح اُس وقت تک چین نہیں لیا جب تک اُنھوں نے فلسفے کو جو علم دین کا آقا بن گیا تھا اُس کا غلام نہیں بنا لیا۔

بارہویں صدی میں جب عیسائی علم دین پر عربوں کا اثر پڑنا شروع ہوا اس وقت یہ علم نو اشراقی آغسطینی انداز رکھتا تھا۔ فرانسکانی راہبوں کے یہاں تیرھویں صدی میں بھی یہ انداز باقی رہا فیثاغورثی افلاطونی رجحان کے ساتھ جو اسلامی فلسفہ میں موجود تھا رنگ اچھی طرح نبھ گیا۔ ڈنس اسکاٹس کے نزدیک ابن جبرول جس کا قول سند کا درجہ رکھتا ہے اُس کے مقابلے میں دو جید و منتقی راہبوں البرٹ اور ٹامس نے ارسطاطالیسیت کو کسی قدر بدلی ہوئی صورت میں قبول کر لیا تھا جس کے ساتھ فارابی کے اکثر خیالات مگر خصوصیت کے ساتھ ابن سینا اور موسیٰ بن میمون کا فلسفہ مطابقت رکھتا تھا۔

تیرہویں صدی کے وسط میں ابن رشد کا زانداثر پیرس میں جو اس عہد کی اعلیٰ مسیحی تعلیم کا مرکز تھا نمودار ہوا ۱۲۵۶ء میں البرٹ اعظم ابن رشد کی تردید پر کھڑا ہوا اس کے پندرہ سال کے بعد کوئی ٹامس کا ٹامس ابن رشد کی نہیں بلکہ پیروان ابن رشد کی تردید کرتا ہے ان لوگوں کا سرگروہ سیگر جس سے ۱۲۶۶ء میں لوگ واقف ہوئے رکن

دار الفنون پیرس کا تھا اسے ابن رشد کے نظام فلسفہ کے انتہائی منطقی نتائج کے قبول کرنے میں تامل نہیں اور جس طرح ابن رشد ابن سینا پر نکتہ چینی کرتا ہے اسی طرح دیگر البرٹ اعظم اور مقدس ٹامس کی تنقید کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ تنزیل و وحی کی پیروی کا اقرار کرتا ہے تاہم اس کے خیال میں عقل انہیں باتوں کی تائید کرتی ہے جن کی تعلیم ارسطو نے دی ہے فرانسکائی راہبوں کی تحریک پر کلیسائی محکمۂ احتساب کے پنجۂ غضب میں یہ گرفتار ہوا اور مقام آرڈیٹو میں ۱۴۸۱ء اور ۱۴۸۴ء کے درمیان قید خانے میں مرا۔" یہاں تک تھا خلاصۂ اقتباس تاریخ فلسفہ اسلام ٹ۔ ج۔ دو بوئر کا۔

فلاسفہ کی اس تجبیر دماغی کا علاج عیسائی اور اسلامی متکلمین نے خوب سا کر دیا تھا تم کو فلسفۃ الاسلام کی تدوین میں ان فلاسفہ کے الجھے ہوئے خیالات سے سروکار نہ ہوگا متکلمین سابق کے تصانیف کافی ہیں خصوصاً ہمارے جد اعلیٰ حضرت غفرانمآب سید دلدار علی طاب ثراہ کی عماد الاسلام مفصل و مکمل تصنیف ہے لیکن کہنا یہ ہے کہ ہیولیٰ و صورت نے ان کے دماغوں میں بھی وہ نقش جمایا کہ آج تک اس سے پیچھا نہیں چھوٹتا آج بھی اسلامی درسگاہوں اور متکلموں کے تصانیف میں یہ مہمل منطق و فلسفہ گھسا ہوا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نسلاً بعد نسل یونانی اور یونان زدہ اسلامی فلاسفہ کا خود کو وارث و محافظ سمجھ رہے ہیں اور عوام کا ذکر نہیں پڑھے لکھے بھی خالص دین الٰہی قرآن و حدیث و سیرت پر فلاسفہ اسلام کے چڑھائے ہوئے رنگ میں خود بھی ڈوبے ہوئے ہیں اُس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آیندہ ترقی کا ادراک سدباب ہوگیا اُس پر یہ غضب ہوا کہ علم الٰہی جن ہاتھوں سے لینا تھا اُن کو بالکل چھوڑ بیٹھے اور ایک اسلام نے تہتر فرقے بنا کر قرآنی اور رسولی تعلیمات کو اپنی اپنی نظر سے دیکھنا شروع کیا حقیقت گم ہوگئی۔ جس جہالت اور تاریکی پر فلسفہ جدید کو پورے حملہ کا موقع مل گیا اور یہ مسلمان اپنے قدیم علم کلام کو مقدس اور متبرک سمجھتے ہوئے سینہ سے چمٹائے بیٹھے رہے اور یہ نہ دیکھا کہ جس فلسفہ یونان کی بنیادیں خود یونان میں ڈھے کر مسمار ہو چکی ہیں اس کی عمارت بھی مسمار ہوگئی ہوگی لہٰذا دیکھنا ہے کہ فلسفہ جدید کے اساس کیا ہیں جس پہ ہم اپنی اسلامی عمارت کھڑی کریں اس طرف قطعی نظر نہ کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ نئے

تعلیم یافتہ فلسفہ جدید کی بھول بھلیوں میں پھنس پھنس کر تعلیمات اسلامی سے منحرف ہو گئے اور بالکل وہی دور تاریخ دہرانے لگی جو علوم فلسفۂ یونانیہ کے ایشیا میں نزول اجلال کے وقت ہوا تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کر کے ہم نے فلسفۃ الاسلام کی تصنیف کی بنیاد ڈالی نہ یہ فلسفہ جدید رہے گا نہ ہماری فلسفۃ الاسلام کے علمی مباحث جس طرح سے نہ فلسفہ قدیم رہا نہ اُس کے مقابل متکلمین کی کاوشیں رہیں نئی اساس پر نئے عمارتیں بنانے کی جس طرح سے ہم نے ضرورت محسوس کی جب اساس برباد ہو آنے والی نسلوں کا یہ کام ہوگا کہ وہ جدید اساسوں پر جدید تعمیرات کا کام شروع کریں۔ ہم اسلامی فلسفہ اور فلسفہ جدید میں اس طرح سے مصالحت نہیں کرانا چاہتے کہ آیات قرآنی و احادیث کی کھینچ تان کر فلسفۂ جدید سے مطابقت کریں بلکہ قرآن و حدیث پر فلسفہ جدید کے اعتراضات و شبہات کو اُسی کے نقطۂ نظر سے بے اصل ثابت کرنے کی کوشش کرینگے اگر مطابقت ہو جائے گی تو قصداً نہ ہوگی بلکہ واقعیت کی بنا پر ہوگی اور مخالفت رہی تو فلسفہ جدید کی غلطی اور قرآن و حدیث کی صداقت کے اثبات میں کوتاہی نہ کریں گے، بس یہی ہمارا کام ہوگا اور خدا سے دعا کریں گے کہ مطمئن فارغ البال ذی تعلیم لوگوں کو توفیق ہو کہ وہ ہمارے کام کو آگے بڑھائیں اور ہم ایسے نادار مفلس فکر منہ بے سرمایہ کس مپرسی کی محنت کو رائگاں نہ ہونے دیں یہ نقش اول ہے نقش ثانی کو اس سے بہتر بنا دیں۔

اب پھر ہم اپنے چھوڑے ہوئے بیان کی طرف پلٹتے ہیں یعنی مادیت نے مشرق میں آ کر جو گل کھلائے تھے اس سے پبلک کو روشناس کر چکے لیکن اس کا اثر حجاز پر کیوں نہ پڑا شام و عراق و مصر و اسکندریہ ہی کیوں زائد متاثر ہوئے۔

(۱۵)

فلسفہ یونانی کا کن ملکوں پر زائد اثر ہوا

سـ۱۴ـھ میں دمشق فتح ہوا اور سـ۲۰ـھ میں قیصر روم مر گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ظہور اسلام سے ایک صدی پہلے مادیت مغرب سے نکل کر مشرق

میں آ بسی اور اس زمانہ امن میں اساتذہ اور قائدین مادیت اس ناحیہ میں کام کرتے رہے اور اس کام کے لیے زیادہ موزوں زمین انھیں ملک شام میں ملی۔ اور اس کے دو وجوہ تھے

اولاً شام دیار حجاز سے دور اور تعلیمات رسالتی سے بے بہرہ تھا اور قدیم دشمنان بنی ہاشم یعنی بنی امیہ مملکت شام پر مسلط تھے اور قدیم مشرکانہ مادیت ان پر بخوبی چھائی ہوئی تھی انھوں نے اس گروہ کی دل کھول کر سرپرستی کی۔

دوسرے علوم فلسفیہ اسلامی کے حافظ و مروج آل رسول اپنی بے پناہ قوت روحانی و سادگی کی وجہ سے عالم کو جذب کر رہے تھے اور بنی امیہ ان علوم کو اپنی ملوکیت و سرمایہ داری کا بدترین دشمن سمجھتے تھے اور آل رسول کی جانفروشانہ علمی کدوکاوش سے لرزہ براندام تھے اس لیے ادھر تو وہ چاہتے تھے کہ اپنی سفاکی و قاتلانہ مظاہروں سے دنیا سے آل رسول کو مٹا دیں دوسری طرف وہ ان علوم ائمہ کے مقابل میں علوم مادیہ کو دور دور دراز ملکوں سے لاکر رواج دے رہے تھے علما مادیین اطراف عالم سے بٹورے جا رہے تھے اُن کی کتابوں کے ترجمے کرائے جاتے تھے اُن علماء سے اور ائمہ آل رسول سے مناظرے کرائے جاتے تھے اور مادیین کی شکست پر جھنجھلا کر آل رسول قید ہو رہے تھے قتل و غارت کئے جا رہے تھے رسول کے نام پر لاکھوں روپیہ صرف کر کے حدیثیں گڑھوا کر حقیقی عالمان اسلام (ائمہ ہدیٰ) کی زباں بندی کی جا رہی تھی۔ درحقیقت بنی امیہ علم دوست نہ تھے بلکہ ان کی سیاسی ضرورتیں ان ترکیبوں پر مجبور کئے ہوئے تھیں اس لیے بنی امیہ کے عہد میں شام مذکورہ علوم کفریہ کا گہوارہ بن گیا تھا جرجی زیدان اور اُن کے موئیدین و ہم خیالوں کا یہ نظریہ غلط ہے کہ ملوک بنی امیہ علم دوست تھے۔ علم دوست ہوتے تو خود اپنی نسل میں علما پیدا کرتے یا علوم اسلامیہ کی حفاظت کرتے۔

ہماری تائید میں (یعنی فلاسفہ مادیین کے لیے سرزمین دمشق نے پھلنے پھولنے کے لیے سیاسی اغراض سے موقع دیا)ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے لکچروں کے صد ۱۹ میں فرماتے ہیں "

"قرآن کی قدرت پسندی صرف اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ انسان قدرت سے رشتہ رکھتا ہے اور اس رشتہ کو بہ نظر اس کے امکان کے کہ یہ قوائے قدرت کے مسخر کرنے کا ذریعے

ناجائز و باطل خواہش حکومت کے لیے نہیں بلکہ روحانی زندگی کی آزاد اعلیٰ تحریک کے فائدے میں لگانا چاہیے یعنی لگام ان اہلیوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے تھی جن میں حکومت کی باطل خواہش نہ ہوتی۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ ادھر پرانی مادیت۔ گمراہ کن مادیت امن سوز مادیت مستبد مادیت نے ایک صدی سے شام و اسکندریہ میں اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ پھر عربی فتوحات کی رو وہاں پہونچ گئی۔ اسلام اصلی درحقیقت سچی مادیت۔ امن پرور مادیت۔ خیر خواہ مادیت اور بے غرض مادیت کا حامی تھا۔ اس لیے گو ابتدا میں دونوں میں چنداں اختلاف نہ تھا۔ لیکن طریق کار اور مقصد میں اختلاف کی وجہ سے دونوں بہ لحاظ نتائج کے آپس میں نقیض تھیں۔ اگر فتوحات عربی کا قائد اسلامی نیچرلزم کا خاص ماہر ہوتا اور اس میں قدیم مادیت کے ذراثتی اثرات نہ ہوتے تو اس کے فتوحات کی رو پرانی مادیت کو ان مقامات سے بہا لے جاتی یا اپنے میں جذب کر لیتی لیکن یہاں امارت کی خواہش درون قلب میں مدت سے موجزن تھی جن کا اظہار بھی گاہ گاہ ہوتا رہتا کاہن کی پیشین گوئی کے بعد ایمان لانا سب سے پہلی دلیل ہے اس لیے پرانی مادیت کو سازگار فضا مل گئی۔ اور اسے موقع مل گیا کہ وہ ان میں اپنے رنگ کو پختہ کر دے اور اس امتزاج سے نئی مادیت پیدا ہوئی جو موجودہ مادیت کا عالمگیر سنگ بنیاد بنی۔ اس نئی مادیت نے ابتدا ہی میں کیا کیا رنگ دکھائے۔ مصر کے حالات پر بھی ابن عاص ایسے مادی حاکم کی حکومت دیکھیے۔ حضرت محمد بن ابی بکر کے واقعہ شہادت کو دیکھیے مالک اشتر کی طولانی احکام کے مصر کی گورنری کے لیے روانگی پر غور کیجیے۔ کوفہ کے گورنر کی مسجد میں قے کرنے کے واقعہ کو پڑھیے ہر واقعہ تاریخ کی ایک کتاب ہے جو اس وقت کی مادیت کو بے نقاب کرتی ہے۔ پھر شام کی سیر کیجیے پہلے ہی دور عہد میں وہاں کی گورنری کے چیدہ افراد کا انتخاب ملاحظہ ہو عہد دوم میں شام کے نامزد گورنر کا تزک و احتشام ملاحظہ ہو اور خود منتخب کنندہ کا ارشاد ملاحظہ ہو "کسریٰ العرب" کا خطاب سنیئے۔ علی بن ابی طالب سے جنگیں۔ محکمہ زہرخورانی کی تاسیس، خواجہ سراؤں کی ایجاد، مسافروں کا قتل حدیث سازی کا محکمہ۔ چوتھے خلیفہ پر سب و شتم کا محکمہ خفیہ سازشوں کا محکمہ ملاحظہ ہو جس کے ہاتھوں حضرت علی کوفہ میں اور امام حسن کی مدینہ

میں شہادت کو دیکھئے بالآخر دمشق کے تخت سے اُس حکم کا (قتل حسین) نفاذ جو تیرہ سو سال سے آج تک دنیا کو رلا رہا ہے۔ جو درحقیقت ڈاکٹر سر اقبال کے لکچر کا صحیح تاریخی آئینہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے لکچر دی ہومن اینگو ہر فرنڈم اینڈ امارٹیلیٹی میں فرماتے ہیں "دمشق کے ابن الوقت اموی حکمرانوں کی عملی مادیت ایک میخ چاہتی تھی۔ جس پر وہ اپنے ان مظالم کو لٹکا دے جو انھوں نے کربلا میں کئے اور امیر معاویہ کی بغاوت کے ثمرات حاصل کریں تاکہ ان کے برخلاف بغاوت کا امکان نہ رہے۔ حسن بصری ایسے راوی نے کہا کہ بنی امیہ نے مسلمانوں کو قتل کیا اور اپنے اعمال کو احکام خدا کی طرف منسوب کیا حسن نے کہا کہ یہ دشمنان خدا ہیں۔ اس طرح باوجود مسلم علماء کے احتجاج کے اخلاقی تنزل پیدا کرنے والی جبریت اور قانونی نظریہ مشہورہ "قدر مقدور" ناجائز امور کی پردہ پوشی کے واسطے ظہور میں آیا۔"

غرضکہ اموی دور میں عملی مادیت رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی اسی کی بنیادوں پر عباسیت قائم ہوئی اور بغداد و قرطبہ وغیرہ میں مغربی علوم مادی عربی لباس پہن کر منبروں پر آئے اور مسلمانوں میں فلسفی اور سائنس داں پیدا ہوئے۔ ان کے پہلو بہ پہلو یہودی مفکرین کا ایک گروہ اسی میدان میں کام کرتا تھا خاص سکندریہ میں یہودی فلسفیوں کا ایک اسکول تھا جن کے مسلمان فلسفیوں سے دوستانہ روابط تھے۔ یورپ کی قرون وسطی کی مادیت مسلمان مادیوں کی رہین منت ہے اور اس کی شہادت عربی الفاظ۔ الکیمی، الجبرا، الاکسیر، زینو۔ وغیرہ سے ملتی ہے جو دوسری مغربی زبانوں میں رائج ہے اور دوسری شہادت یہ ہے کہ جب "روگر بیکن" نے علمی تحقیق کا جہاد شروع کیا تو اس نے عربی۔ عبرانی۔ یونانی مطالعہ کو بہت اہمیت دی اور یہ کہا کہ یہ پہلی علمی ذخائر تک پہونچنے کے ذرائع ہیں یہ مضمون بذات خود بہت بسیط ہے۔

(۱۶)

مادیت کی مشرق سے مغرب کی طرف رجوع

عربوں سے ذوق فلسفہ و سائنس مشرق سے پھر مغرب کی طرف گیا اور "چارلس اعظم"

کی تعلیمی سرگرمیوں سے عیسائیوں میں ذوق فلسفہ پیدا ہوا ان کے اسکولوں میں صرف نحو منطق ریاضی مساحت نجوم موسیقی کی تعلیم ہونے لگی اساتذہ کو "ڈاکٹر سکولسٹک" کا خطاب ملا جب ساتویں اور آٹھویں صدی میں پیرس آکسفورڈ کیمبرج وغیرہ میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں تو اساتذہ، فلسفہ و دینیات کو یہی لقب ملے۔ ان کا اہم فریضہ یہ ہوتا کہ مسیحی دینیات کو فلسفہ سے مطابق کریں مذہب سے روگردان کے لیے اس کے آخری دور میں یہ خرابی پیدا ہوئی کہ ان ڈاکٹروں نے حسن و قبح اشیاء کے عقلی (یعنی علمی) ہونے سے انکار کر دیا چنانچہ "ولف" نے اپنے مضمون میں جس کا ابتدا میں ہم نے ذکر کیا ہے اس پر تبصرہ کیا ہے،

"علمائے مسیحیت نے یہ کہا ہے کہ حسن حق سے بالا ہے اور حسن وہ ہے جسے خدا نے حکم دیا خدا نے بعض چیزوں کا حکم اس لیے نہیں کیا کہ وہ حسن ہیں لیکن اس لیے حسن ہیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے چونکہ احکام خدا کلیسا سے معلوم ہوتے ہیں جو کچھ اس طرح خدا کے لیے ادعا کیا گیا حقیقتہً وہ کلیسا کے لیے تھا جس کا اقتدار و اختیار قرون وسطےٰ میں بلند تھا اور اس امر نے کم و بیش آزادی خیال کو دبایا"

کلیسا کی یہ احتیاطی تدبیر زمانہ کیتھولک اور دور اصلاح لوتھر میں علوم کی ترقی میں کاوڑ رہا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا یہ اثر ہوا کہ مادیت کے دل میں مذہب سے تنفر بڑھتا گیا کیونکہ جس مذہب کے سایہ میں یہ پل رہی تھی وہ علوم کا دشمن تھا۔ آخر جو اصول قرآن نے بتائے تھے کہ کائنات میں نظم ہے، اسی کی بنا پر موجودہ سائنس کی عمارت اٹھائی گئی اور سترھویں صدی مسیحی میں سائنس کی ترقی شروع ہوئی اور موجودہ مادیت کا ظہور ہونا شروع ہوا مختلف نظریے بنے اور بگڑے کبھی کچھ ہوا اور کبھی کچھ یہاں تک کہ "ہوبس" نے مادہ و حرکت کا نظ قائم کیا اور "ٹولینڈ" نے اسے ابھارا اور کہا کہ مادہ ہی طاقت ہے حرکت حیات نفس اسی کے کام ہیں۔ "پریسٹلے" اٹھارھویں صدی میں سب سے بڑا انگریز مادی تھا اس نے خدا کو بھی مادی اس موقع پر بالاختصار مغرب کے حکمائے متاخرین کے مختلف مذاہب مادیت کا ذکر باعث دلچسپی ہوگا۔

مغرب کی تاریخ مادیت میں پہلا فلسفی خیال یہ پیدا ہوا کہ "کیا موجودات کی متغیر

صورت کی تہہ میں کوئی چیز مستقل ہے اکثر فلاسفہ نے اس کا جواب اثبات میں دیا اور کہا واقعات کی تہہ میں کسی قسم کا غیر متغیر مادہ ہے۔ موجودہ زمانے میں زیادہ تر جدید طبعی نظریہ کے اثر کی وجہ سے فلسفہ واقعات بہ نسبت فلسفہ شے کے زائد مقبول ہوا دونوں نظریوں کا فرق ''انٹولوجیکل فلکیونزم'' اور ''انٹولوجیکل سٹیسٹلنشلزم'' کا فرق ہے دوسرا سوال یہ پیدا ہوا کہ۔ کیا آخری حقیقت ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ۔ اس کے متعلق تین مذاہب ہوئے جن میں پہلا اور تیسرا عام ہیں۔

(۱) سبٹینشل مونزم۔

(۲) ڈلیولزم

(۳) پلورلزم

تیسرا سوال یہ ہوا کہ۔ کیا آخری حقیقت سب ایک ہی قسم کی ہے۔ ''مونزم'' نے اثبات میں جواب دیا متعددین میں سے بعض نے تعدد ارواح کا عقیدہ ظاہر کیا اور انھیں بحیثیت نوع ایک کہا۔ اور کسی اور چیز کی حقیقت سے منکر ہوئے اور دوسرے عناصر اجزا لایتجزیٰ کی تعدد کے قائل ہوئے اور انھیں ایک جیسا تسلیم کیا۔ کسی اور چیز کی حقیقت کے قائل نہ ہوئے ان دونوں نظریوں کو ''یونیفارم پلورلزم'' کہتے ہیں۔ بعض آخری حقیقت کی مختلف اقسام کے تعدد کے قائل ہوئے (اجسام ارواح وغیرہ) ان کا نظریہ ''ملٹی فورم پلورلزم'' کہلایا۔

چوتھا سوال یہ ہوا کہ ''آخری حقیقت کتنے بنیادی مقرر وصف رکھتی ہے۔ اس کا بھی جواب تین طرح پر ہوا ''اسربیبوٹو مونزم'' اسربیوٹو ڈوئلزم'' اسریبوٹو پلورلزم'' یہ ماننا کہ امتیازی وصف میں باشعور کی خاصیت کا ہے۔ آڈیازم ''منٹلزم'' تا سیر جوئزم'' کہلاتا ہے اگر یہ وصف خیال سے متشخص ہوتا ہے اسے ''نیلولزم'' کہتے ہیں اور اگر اختیار و رضا سے تو وہ ''وولنٹرزم'' کہلاتا ہے۔ وہ آڈیلیسٹ'' جو وحدت کے قائل ہیں۔ وہ ''ابسولیوٹ آڈیلیسٹ'' کہلاتے ہیں۔ متعددین کو ''سبجیکٹو پلورسٹ'' یا مناڈسٹ'' کہتے ہیں۔

وہ نظریہ جو تمام اوصاف مادہ کی طرف منسوب کرتا ہے مادیت ہے جو اسے ''انرجی''

(قوت) سے متشخص کرتا ہے اور وہ "ازجزم" کہلاتا ہے۔ اور وہ نظریہ جو اسے شعور یا مادیت سے مختلف مگر دونوں کے ماتحت سے متشخص کرتا ہے "نیوٹرلزم" کہلاتا ہے۔

اس کے بعد یہ مسئلہ ہے "کہ حقیقت کے مختلف حصہ افراد یا طرق کس طرح باہم مربوط ہیں انتہائی نظریہ اس کے جواب میں یہ ہے کہ ان میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہر چیز محض اتفاق سے ہوئی اور ہوتی رہتی ہے۔ اسے "ٹائیکزم" کہتے ہیں۔ اور اس کے مخالف نظریہ کو نیسس ٹرے تزم کہتے ہیں اس کے رو سے کائنات میں قانون نظم جاری ہے اور کوئی چیز بھی نتیجہ اتفاق نہیں اس نظریہ کی ایک خاص صورت جو اکثر اور غلط طور پر اس سے ملائی جاتی ہے وہ نظریہ ہے کہ ہر چیز ایک طریقہ میں واقع ہوتی ہے جو مادہ اور اس کی حرکت کے قوانین کے مطابق ہوتا ہے "میکانزم" اور "ٹائیلزم" کے درمیان اور بھی نظریے ہیں۔ ایک اور نظریہ ہے جو "میکانزم" کے خلاف وقائع قدرتی میں غرض و غایت ظاہر کرتا ہے۔

آخری مسئلہ یہ ہے کہ۔ کیا کوئی وجود یا چیز ہے جسے خدا کہہ سکیں۔ اس کے جواب میں ایک نظریہ ہے کہ ہم نہیں جانتے اس کو "اگنوسٹیسزم" کہتے ہیں۔ جو نظریہ اس کا جواب نفی میں دیتا ہے وہ "اتھیزم" دہریت کہلاتا ہے اور عموماً لامذہبیت ہی سے مراد لیا جاتا ہے۔ اثباتی جوابوں میں مشہور ترین "تھیزم" عقیدہ ہے شخصی خدا میں جیسے مسیح باقی دو نظریے خدا کو بالائی شخصیت سمجھتے ہیں۔ "پنتھزم" وحدت وجود ہے "تھینزم" اور "ڈیئزم" مافوق القدرت کے قائل ہیں اگرچہ "ڈیئزم" معجزات کا منکر ہے وحدت وجود اسے نہیں مانتی۔ "ٹیلزم" بعض صورتوں میں اگرچہ کائنات سے وجود خدا کی قائل ہیں لیکن وہ خدا کو کائنات سے متشخص کرتے ہیں۔ اس دلیل سے کہ تمام حقیقت ایک منظم باہم مربوط نظام ہے جسے "نیچرلزم" کہتے ہیں اس اصطلاح کو مصطلح مادیت سے نہ ملانا چاہیے۔ کیونکہ یہ خدا کے لیے جگہ چھوڑتی ہے لیکن مادیت نہیں چھوڑتی۔

انیسویں صدی میں سائنس کی نہ صرف مذہب سے جنگ رہی بلکہ یہ فلسفہ سے بھی برسر پیکار رہی لیکن اب تینوں میں صلح کے آثار ہیں۔

قدیم وسخت ناقابل تقسیم ناقابل دخول ذرات مادّہ (اجزائے لا یتجزّے) کی جگہ اب برقی چار جوں یا " لہری ریڈیشن " نے لے لی ہے اور اس لیے بعض لوگ یہ خیال کرنے کی طرف مائل ہیں کہ مادے نے اپنی مادیت گم کردی ہے اور نئی روحانیت اختیار کرتی ہے

المختصر وہ مادہ جس کے متعلق چار ہزار سال تک اتنی جانفشانی ہوی اتنی تباہی ہوئی اتنی لغاوت ہوی بالآخر مادیت گم ہوگئی اور معلوم ہوا کہ وہ از قسم ذرات نہیں بلکہ شعاع برقی ہے اب کثافت نہ رہی لطافت آگئی اب آئندہ مادیین نورانیت کی طرف آدینگے اور رسول کے تیرہ سو سال پیشتر کے ارشاد پر ایمان لادیں گے وہ فرما گئے ہیں کہ " سب سے پہلے میرا نور خلق ہوا اور اسی نور سے جملہ کائنات وجود میں آئی " برقیوں سے خلقت کائنات کا تو اقرار سائنس کو کرنا ہی پڑا صرف اتنا باقی رہا کہ وہ برقیہ حضرت رسول کے نور کے تھے ۔

(۱۷)

مادیین کی رسائی خدا تک ممکن نہیں

گزشتہ کل بیان کا آرٹیکلوں سے خلاصہ یہ ہے کہ آج تک جتنے علوم پیدا ہوے سب کے سب مادہ ومادیات کے لیے بنے اور بجز محسوسات کے معقولات کے واسطے ایک علم بھی وضع نہیں ہوا لہذا دائرہ علم ومعلوم محدود ہے محسوسات میں اور کتنی ہی ذہانت صرف کی جاوے سر پھر کر انسانی تگ ودو محسوسات تک رہے گی پھر اس میں عقلیات کا تجسس غلط ہے اور اس تک رسائی محسوسات کی ناممکن ومحال ہے اس لیے کہ وہ اس کے علم کے حدود سے باہر ہے لہذا خدا اور اس کے متعلق صفات کو محسوسات ومادیات میں ڈھونڈھنے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج تک مادیین کی رسائی اس خالق مادہ ومادیات تک نہ ہوی اور جو کچھ مذاہب مادیین نے ایجاد کئے خواہ اثبات خالق میں ہوں یا نفی خالق والحادیں ہوں سب مضحک اور بھونڈے ہیں جو گزشتہ

آرٹیکلوں کے ملاحظہ سے معلوم ہوگا۔ اسی کو رسول اسلام نے فرمایا " ماعرفناک حق معرفتک " اے خدا (چونکہ تو غیر محسوس مادہ و مادیات سے نہیں اور علوم انسانی محدود محسوسات میں ہیں لہذا) تیری معرفت کا جو حق ہے وہ مجھکو حاصل نہیں ہے " اسلام کا یہی احسان ہے کہ اُسنے مادیت کا صحیح معیار قائم کیا اور مادیت کی غلط ٹھوکروں سے انسان کو بچایا مادیین اکثر و بیشتر تو خالق و خدا سے بے نیاز رہے اور جنھوں نے خالق و خدا کو مانا وہ بھی مادے سے خدا کو جدا نہ قرار دے سکے جس کی وجہ سے وہ اپنے پیروں میں وہ جد و جہد عزم و استقلال پیدا نہ کر سکے جو متدین مذہب قوت رکھتا ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ متدین ذہن میں شاندار مستقبل رکھتا ہے۔ اور پشت پناہی کے واسطے وجود باری پر ایمان ہے پس جہاں پشت اور ماضی تسکین بخش ہو اور مستقبل حوصلہ افزا وہاں جد و جہد اور عزم و استقلال کا ہونا لازم ہے " ولیم جیمز " نے اپنی کتاب " پرگمیٹزم " میں جہاں الحاد کے عیوب کو بتایا ہے وہیں اُس نے باخدا دنیا کا ان الفاظ میں خاکہ کھینچا ہے " وہ دنیا جس میں خدا ہو جل جاوے یا جم جاوے لیکن ہم اُس وقت بھی یہ خیال رکھتے ہیں کہ جو پرانے مثالیوں کے متعلق بافکر ہے اور وہ کسی اور جگہ اُن کو اختیار کرکے برومند کریگا پس جہاں وہ (خدا) ہے تباہی عارضی اور جزئی ہے اور فنا اور انفصال بالکل آخری شے نہیں ہے ایک ابدی اخلاقی تنظیم ہمارے سینہ کی سب سے گہری ضروریات میں سے ایک ہے " اب دیکھو قرآن مجید نے جہاں فنائے عالم کا نقشہ کھینچا ہے وہیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ عالم کو فنائے مطلق نہیں ہے بلکہ یہ اعدام ایک دوسرے دور جدید کا آغاز ہے اور اس دور کہنہ کو انسان چھوڑ کر ایک نئی زندگی میں جا پہونچتا ہے جو ایک مکمل ترقی یافتہ زندگی ہوتی ہے۔ (قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے چند آیات کے ترجموں سے معلوم ہوگا کہ قیامت اور اعدام و فنا کے بعد جدید زندگی کی مختصر کیفیت کیا ہوگی)

" جب سورج کی روشنی نہ ہو جاوے گی جب ستارے میلے پڑ جاویں گے جب پہاڑ چلائے جاویں گے جب جہنم دہکائے جاویں گے اور جب جنت کے پاس لائے جاویں گے اس وقت نفس (انسانی) سمجھے گا کہ میں کہاں لایا گیا ہوں "

جب زمین بھونچال سے ہلائی جاوے گی اور جب زمین اپنے بوجھوں کو نکال پھینکے گی اُس دن لوگ بھانت بھانت ہوجاویں گے تاکہ ان کو ان کے عمل دکھائے جاویں جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہوگی وہ اُسے دیکھے گا"

وہ کھڑکھڑاتی اور کیا ہی کھڑکھڑاتی۔ اور تم کیا سمجھے کہ وہ کھڑکھڑانی کیا ہے جس دن ہوجاویں گے لوگ بکھرے ہوئے پتنگے اور ہوجاویں گے پہاڑ جیسے دھنی ہوئی رنگین اون بس جس کی تول بھاری ہوگی وہ من مانی بسر گزران کرے گا اور جس کی تول ہلکی ہوگی اس کا ٹھکانا گہرا ہوگا"

مذکورہ آیات کی توضیح وتشریح ہماری کتاب "فلسفۃ الاسلام" اپنے موقعہ میں دیکھ لیں یہ مقام پر اس موضوع سے خارج ہے اس لیے اُن کا ذکر ترک کرتے ہوئے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ دنیا ضرور درہم وبرہم ہوکر معدوم ہوگی اور اسکے بعد ہی وہ دور شروع ہو جائیگا جہاں ہر ایک متنفس کو اپنے خیالات اور مثالیوں کو پختگی تک پہونچانے کا موقع دیا جاویگا

"ولیم جیمز" اپنی کتاب "پرگمیٹزم" میں روحانیت ومادیت میں یہ فرق بتاتا ہے کہ "مادیت کے معنی محض اخلاقی نظم کی ابدیت سے انکار اور امیدوں کا قطع کردینا ہے روحانیت کے معنی ابدی اخلاقی نظم کا اقرار اور امید لگانا ہے" آپ آیات قرآنی کو "ولیم جیمز" کے تصریح کے مطابق دیکھیں۔

(۱۸)

مادیت ومذاہب

اب دیکھنا ہے کہ مادیت کا فلاسفہ قدیم وجدید نے جو مصرف قرار دیا گزشتہ آرٹیکلوں میں مجملاً مذکور ہوا اُس نے اپنی ارتقائی منزلوں میں پہونچ کر بھی مذہب وخدا کی کیا خدمت کی اور انسانیت کو حیوانیت سے کس طرح سے جدا اور ممتاز کیا اور اسلام نے مذہب اور خدا اور انسانیت کی کیا خدمت کی اور انسانیت کا تحفظ کس طرح سے کیا۔ مذاہب

کی پیداوار جتنی بھی ہوئی وہ سب علوم حسیہ اور مادیہ سے ہوئی چلیا کہ گزشتہ آرٹیکلوں سے معلوم ہوا گزشتہ اور موجودہ عقیدے میں فلاسفہ قدیم و جدید خدا اور اس کی شان کو مادہ و مادیات سے جدا کرنے سے آج تک قاصر رہے گزشتہ آرٹیکلوں سے ایک سمجھدار طالب علم خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ خدا کے متعلق کتنی بھی کد و کاوش کی گئی اور تخئیل و استدلال کو ارتقائی منازل تک پہونچایا گیا باوجود اس کوشش کے کسی نہ کسی صورت سے اس کا تصور مادہ و مادیت سے جدا نہ کر سکے اور ان سب خدائی تصورات میں کسی نہ کسی طرح خدا کو اور اس کے صفات کو مادے میں لپیٹے رکھا اور یہی وہ چیز ہے جو اقوام قدیمہ کی پستی خیال اور اس دور تہذیب تمدن اور سائنس کی ارتقائی حالت میں بھی مابہ الاشتراک اور یکساں ہے آفتاب آگ پانی کو خدائی کے قابل نہ سمجھتے ہوئے بھی مادہ کی پوجا نہ چھوڑی اُسی کی پوجا آج تک ہو رہی ہے اور وہی صفات خدائی کے بتائے جا رہے ہیں جو مادیات اور محسوسات ہی سے مخصوص ہیں یا یہ کہ خدا کے وجود سے کسی نہ کسی شکل سے انکار کر دیا گیا ہے اور اسی مادیت پر جو بواسطہ خدا یا بلاواسطہ خدا تمام مذاہب مذکورہ کی بنیادیں قائم کی گئی ہیں - اور ساری خدائی خدمتیں میکانیات میں مضمر سمجھ لی ہیں -

اسی طرح سے انسانیت اور خدائی میں کوئی رشتہ اور کوئی تعلق اور کوئی فرق صحیح قائم نہ کر سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کی زندگی کے کسی شعبہ میں خدا کی مرضی اُس کی خوشنودی کی کوئی جگہ نہ رہی اور انسانی کوئی کام خدا کے لیے نہ رہا بلکہ انسانی کل اعمال و افعال مادے کی خدمت گزاری کے واسطے وقف ہو گئے کسی صورت و شکل سے بھی ہوں اور اس لیے انسانیت و حیوانیت ایک چیز ہو گئی اور انسان حیوان میں مدغم ہو گیا تمدنی و عمرانی وہ کون سا فعل انسان کا ہے جس میں بجز رعایت مادہ خدا کی بھی کوئی جگہ ہو یعنی دنیا کا وہ کون سا مادی عمل ہے جس میں ایک سکنڈ کے واسطے خدا کا تصور ہوتا ہو یا اُس کے تصرف و مداخلت کا خیال پیدا ہو جس قدر زائد گہرائیوں میں اپنی ہر حرکت و سکون میں پڑو گے اُسی قدر خدا سے بے نیازی بے تعلقی نمایاں رہے گی

ہاں مادیت کی نفع رسانی اس کا تحفظ اس کی ترقی ان مادیین کا حقیقی منشا رپیدائش خلقت انسانی ہوگا ان کو خدا سے کیا کام ۔ اس مختصر بیان کی تشریح اپنی زندگی کے ہر عمل میں تفصیلی نظر سے جائزہ لے کر دیکھ جاؤ اس وقت معلوم ہوگا کہ یہ مادہ پرستی نہ خدائی خدمت ہے نہ مذہبی خدمت ہے نہ انسانیت کے واسطے نافع ہے ۔

(۱۹)

اسلام پر غلط الزام

کہا جاتا ہے کہ اسلام میں فلسفہ و سائنس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور مادہ و مادیت کو ایسا اچھوت اور قابل نفرت بنا دیا ہے جس نے اتنی وسیع کائنات کو بیکار و معطل کر دیا ہے ۔ اسلام پر یہ بدترین اور غلط تہمت و افترا ہے اسلام کا ہر ہر جزیہ مادہ و مادیت کے تحفظ و اصلاح و تنظیم پر مبنی ہے اور فلسفہ و سائنس کا مکمل قانون و آئین ہے بلکہ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ کوئی مذہب اور کوئی فلسفہ اسلام سے زائد مادہ اور مادیت کے متعلق مکمل بحث کر ہی نہیں سکتا البتہ فرق دونوں میں مادیت نافعہ و مادیت ضارۃ کا ہے ان ظاہر بیں فلاسفہ و مادیین نے نفع و ضرر کا لحاظ نہ کرتے ہوئے مادہ پرستی شروع کر دی اور اسلام نے مادیت کے مضرات کو سختی سے روکا اور اصلاح کی ۔ اور مادیت کا صحیح مصرف لیا دیکھو عالم مادی ہے پھر اہل عالم خصوصاً انسان مادیت کا خیال کس طرح سے ترک کر سکتا ہے ۔ مادیین نے مادے کی بہت سی چیزوں کو چھوڑ ہی نہیں رکھا بلکہ انکاری بن گئے اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے اپنے آغوش کو اُن مادی عوالم کے لیے کھلا رکھا اور اُن سے بھی بحث کی بلکہ اُن کے وجود اور علم کو جزو مذہب بنا دیا مثلاً وجود ملائکہ جن شیطان، جنت، دوزخ، وغیرہ ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو مادی نہ ہو فلاسفہ روحانیات کو مادیات سے جدا کر کے یا منکر ہو گئے وجود سے یا ان کو مادیت سے خارج کر کے خدا کو روحانیات میں ڈھونڈھنے لگے حالانکہ کائنات روحانیات ہوں یا جسمانیات سب مادی اور مخلوق ہیں مافوق المخلوق یعنی خالق سب کا بس وہی ایک ذات ہے جو خدا ہے اور مادہ و مادیات

سے جدا ہے لہٰذا اسلام تو مادیات میں مذکورہ اشیاء کو داخلی سمجھ کر اُن سے بھی بحث کرتا ہے۔ انسان جب خود مادی ہے تو پھر اس کو کیونکر مادیت سے جدا کیا جا سکتا ہے "هو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم یخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ثم لتکونوا شیوخا ومنکم من یتوفی من قبل ولتبلغوا اجلا مسمی ولعلکم تعقلون"، خدا وہ ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا (حیاتیات کا سب سے بڑا مسئلہ) پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر تمھیں بچہ بنا کر پیدا کرتا ہے تاکہ تم بڑے ہو پھر بوڑھے ہو تم میں بعض (اس منزل سے) پہلے ہی مر جاتے ہیں اور تاکہ مقررہ عمر کو پہنچو، اور تاکہ تم سمجھ پیدا کرو۔"

"انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتلیه فجعلناه سمیعا بصیرا"، ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں پھر ہم نے اُسے سننے والا دیکھنے والا بنایا۔" اس قدر مادی منزلیں طے کرنے کے بعد پھر اس کو سکونت کے لیے جگہ ملتی ہے اور وہ بھی مادی "ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین" تمھارے واسطے زمین جائے قرار ہے اور (زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی اور عمل کے لیے) متاع ہے ایک مدت تک" تمام شعبہ ہائے زندگی کے لیے ارضی سرمایہ نامحدود مقدار میں انسان کو دیا گیا ہے۔ "خلق لکم ما فی الارض جمیعا" جو کچھ زمین میں ہے (تمام سیال، منجمد و گاس مادی اشیاء) سب تمھارے لیے ہیں۔ اسی ارضی پیداوار پر قناعت نہیں ہے "سخر لکم ما بین السموات والارض" جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے مابین ہے (فضا و ہوا، ایتھر و اثیر، شہاب ثاقب و ذو ذنب مع ان کے آثار طبعی و کیمیاوی) سب تمھارے واسطے مسخر ہے۔" فلاسفہ و مادیین کے معبود یعنی "سخر لکم الشمس والقمر" چاند سورج تمھارے واسطے مسخر ہیں۔" انسان کا پہلا مسکن مادی ما بعد آخری مسکن بھی مادی ہے "منها خلقناکم وفیها نعیدکم ومنها نخرجکم تارة اخری" ہم نے تم کو زمین سے خلق کیا اور اسی میں ہم تم کو لوٹا دیں گے (بذریعہ تحلیل) اور اسی سے ہم پھر تم کو نکالیں گے (بذریعہ تجزیہ و ارساب) انسان کی ابدی قرارگاہ بھی مادی ہے "وازلفت الجنة للمتقین" جنت متقیوں کے قیام کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ اُن کی غذا مادی ہے "فلینظر الانسان الی طعامه انا صببنا الماء صبا ثم شققنا الارض شقا

فاخرجنا بہ حدائق ذات بہجۃ" انسان اپنے کھانے کو دیکھے ہم نے پانی برسایا پھر زمین کو پھاڑا پھر سرسبز باغ پیدا کئے" اس کی شراب مادی ہے "افرئیتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون" کیا تم نے وہ پانی دیکھا ہے جس کو تم پیتے ہو کیا تم نے اسے بادلوں سے اتارا یا ہم اس کے اُتارنے والے ہیں" زمین کے پانیوں کی حقیقت کو بتایا ہے کہ وہ زمین کی سیلن اور تری کو بھاپ کی شکل میں تبدیل کرکے ہوا کی ٹھنڈک سے ابر بنا کر برساتی ہے پھر وہی زمین پر جمع ہو کر انسان وحیوان ونباتات کے کام آتا ہے اور بقیہ بخارات کے ذریعہ پھر ابر بنتا ہے اور برستا ہے اور یہی اُلٹ پھیر جاری ہے اور فلٹر شدہ پانی مخلوق الٰہی کے پینے کے کام آتا ہے اگر زمین پر یہ پانی جمع رہتا تو اجزائے ارضی کی آمیزش سے پڑے پڑے ناقابل استعمال ہو جاتا۔

غرضکہ جو مخلوق مادی اور مادیات کے ماحول میں محصور ہو وہ مادیت سے جدا نہیں ہو سکتی اور یہ الزام اسلام پر غلط ہے کہ وہ سائنس سے بے خبر اور لاپرواہ ہے۔ اگر جدا ہونا ممکن ہوتا تو خدا ہرگز مادے سے انسان کو پیدا نہ کرتا مادہ اور مادیات سے انسان کو کھیلتے رہنا اسلام میں اتنا ضروری اور اہم ہے کہ شارع اسلام نے "لا رھبانیۃ فی الدین" کہکر سخت اون لوگوں کی مذمت کی ہے جو تارک الدنیا بنے پر زور دیتے اور فخر کرتے ہیں اور ایسی ریاضتیں کرتے ہیں جس سے وہ انسانی برادری سے جدا ہو کر لباس صحرانوردی وکوہ نشینی اختیار کرتے یا ترک ازدواج کرکے توالد وتناسل سے محروم ہو جاتے ہیں تم لاکھ مسلمان پر شہوت رانی کا الزام لگا کر تعدد ازدواج پر اعتراض کرو مسلم تو اپنے قوائے فطری کے صحیح مصرف کو استعماری سمجھتے ہوئے خود کو نافع سے نافع تر بنانا چاہتا، اور اشیائے مادی کے تصرفات میں خود کو حقدار قرار دیتا ہے "وانکحوا الایامٰی منکم والصالحین من عبادکم وامائکم ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم" اپنے بندوں کو نکاح وتزویج کے ذریعہ صالح بندہ قرار دے کر فقیر کو غنی دیکھنا اور تنگدست کو وسعت وفراخی میں دیکھنا چاہتا ہے گھر بار کے کاروبار کو بی بی کو سپرد کرکے فارغ البالی سے کسب معیشت اور خدمت خلق کے لیے آزاد کرتا ہے۔ ساتھ ہی عورتوں کے

وقت فرصت میں ان کو گھریلو صنعتوں میں مشغول کرکے سرمایہ کی جمع و توفیر کا موقع دیتا ہے۔ اولادیں پیدا کرا کے ملکی سرمایہ میں اضافہ کرتا اور ماں باپ کا ہاتھ بٹانے والا اور میدان ترقی میں دوڑ دھوپ کرکے ارتقائی زندگی کے واسطے خود کو تیار کرتا ہے۔ اگر انسان کو مادے سے جدا کرنا مقصود ہوتا تو ''کلوا واشربوا ولا تسرفوا'' کھاؤ پیو اور بے قیدی و مطلق العنانی کو اسراف کی ممانعت سے اجازت نہ دیتا۔ ایک مادی گھر کو (خانہ کعبہ) اپنا گھر نہ کہتا۔ نوری بندوں کو مادی لباس نہ پہناتا ''لوجعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا وللبسنا علیھم ما یلبسون'' اگر فرشتہ کو ہم رسول بناتے تو اُسے بھی مرد بناتے اور اُسے بھی وہی کپڑا پہناتے جو مرد پہنتے ہیں جب اسلامی یہ تعلیم ہو تو یہ کہنا کہ مادیت کا لحاظ اسلام میں نہیں ہے تہمت و افترا ہے اور وہ دین دین فطرت نہیں کہا جا سکتا جو خدا کی دی ہوئی مادیت سے بے اعتنائی کرے اس لیے اشیائے مادی اس کے حدود میں اتنی نگہداشت لازم ہے کہ وہ دنیاوی زندگی کے باقی رہنے تک اپنے انسانی فرائض انجام دیتا رہے جن فرائض انسانی کو خدا دیکھتا رہتا ہے ''وان سعیکم لیری'' اگر آپ دین کا جائزہ لیں تو کسی جزو میں مادے کو نہیں چھوڑا ہے اور اس کو نفع بخش اصولوں اور قانونوں میں جکڑ بند کیا ہے اور اسی کا نام سچا اسلام ہے۔ دیکھو اثبات اصول دیانت میں بھی اسلام نے مادی ہی اشیاء کو پیش کیا ہے۔

''سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین انہ الحق'' خدا نے اپنی آفاقی اور انسانی نفوس کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے کا حکم دے کر اپنے وجود کے برحق ہونے کو ثابت کیا ہے۔ کہیں بالائی چیزوں کو دکھایا جاتا ہے کہیں گرد و پیش کے مادی اشیاء کو دیکھنے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ''الذین یتفکرون فی خلق السموات والارض ..... ربنا ما خلقت ھذا باطلا - والی الطیر فوقھم صافات۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت'' آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں غور و فکر کرو (علم ہیئت و نجوم و آثار طبعی و کیمیاوی اجرام فلکی کی ہیئت و ترکیب

زمین کے جیالوجی ادوار جغرافیائے طبعی و جغرافیائے ملکی اس کے حضریات و معدنیات اس کے اجزائے طبعی و کیمیاوی اس کا حرکت و سکون و تغیرات غرضکہ سائنس کے جملہ شعبے جو فلکیات و ارضیات سے متعلق ہیں سب پر غور و فکر کا حکم دیا ہے) پرندوں کو اپنے سروں پر صف بستہ دیکھو (ہوا اور فضا سے بحث کا موقع دیا ہے علم الحیوان میں طیور کے اصناف اُن کے خواص طبعی و کیمیاوی نباہت الحیوان وغیرہ سے آشنا ہونے کی تاکید ہے) کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے وہ کیونکر بنایا گیا ہے " مذکورہ علوم میں اطلاع و مہارت پیدا کرنے کی انسان کو تاکید ہے تاکہ انسان ان صحیح معلومات کو حاصل کرکے اور سائنس کے ہر شعبے میں مہارت تامہ حاصل کرکے اس کا صحیح استعمال کرے خدمت خلق کے لیے تعمیری ہو نہ تخریبی اور یہ سمجھیے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ قدیم نہیں حادث ہے خالق نہیں مخلوق ہے صانع نہیں مصنوع ہے۔

اصول کے بعد فروع کی طرف آئیے تو اُن کا تعلق بھی مادیات ہی سے ہے اور اُن احکام میں مادیت ہی سے بحث ہے " واذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین " جب نماز کے واسطے کھڑے ہو تو اپنے مُنھ اور ہاتھوں کو دھو کہنیوں تک اور سر کے کچھ حصہ اور پیروں کو ٹخنوں تک مسح کرو " وان کنتم جنبا فاطھروا " جب جنب ہو تو غسل کرکے پاک ہو۔" وثیابک فطھر والرجز فاھجر " اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی نجاست سے دور رہو (آخری دو لفظوں میں تمام حفظان صحت کا اصول جمع کر دیا ہے) نجاست باطنی کو بھی خدا اپنے گھر کے قریب آنے کو گوارا نہیں کرتا اس لیے کہ اس کے طاہر بندے اس کے گھر (کعبہ) میں عبادت کے واسطے جمع ہوتے ہیں غیر محتاط مشرکین کے جراثیم امراض متعدیہ کے سرایت نہ کر جاویں یہ اندیشہ اس لیے ہے کہ اصول حفظان صحت سے اسلام کے وہ ناواقف ہیں " انما المشرکون نجس فلا تقربوا المسجد الحرام " مشرک نجس ہیں نہ مسجد الحرام کے قریب نہ آنے پاویں۔ (علاوہ اس مادی علت کے اور بھی اسباب ممانعت کے ہیں) حضرت علیؓ کے واقعہ بت شکنی گھر والو

"ڈسنفکٹ" کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسجد نبی میں جملہ دروازے بند کرا کے
صرف جناب امیرؑ کے دروازے کو کھلا رکھنے میں اظہار اس بات کا ہے کہ نجس جرائیم نہ
مسجد محترم میں داخل ہو کر محتاط لوگوں کو ضرر رسانی نہ کریں اور عالم اصول حفظان صحت
کا اور محتاط اس ممانعت سے آزاد رہے اسلام مادی جسم کی صحت کا اتنا خیال رکھتا ہے کہ
مقام اجتماع میں جانے سے پہلے غسل کرنا صاف لباس پہننا خوشبو لگانا سُنت قرار دیا گیا ہے
جیسے نماز جمعہ و عیدین میں اور ایسے مقام اجتماع کو جس میں کثرت نفوس ہو جیسے عیدین
اور حجاج کے واسطے عرفہ۔ غسل میت و مس میت کو واجب قرار دیا ہے علاوہ مستحب غسلوں
کے اگرچہ اس میں صفائی اور حفظان صحت ہے ساتھ ہی اس کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے
لیکن بظاہر یہ مادے ہی کی نگہداشت ہے اس لیے انسان کا دین دین فطرت ہے اور
مادیت کے لحاظ سے بے پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ مادیت بہترین طریقہ سے برتنا ہی دین ہے

(۲۰)

اسلامی مادیت سائنسی مادیت سے جدا ہے

(۱) سائنسی مادیت میں خدا اور اس کے تعلیمات کی کوئی جگہ نہیں ہے یا تو الحاد
محض اور وجود آلہی سے انکار ہے اور اگر اقرار بھی ہو تو کسی نہ کسی شکل میں خدا کو
جزو مادہ بنا رکھا ہے اور اس کے صفات دے رکھے ہیں جیسا کہ گزشتہ آرٹکلوں سے
واضح ہے۔

(۲) سائنسی مادیت میں خدا کو اگر مانا بھی ہے اور بیت عقائد سے ارتقائی شکل میں
پیش کیا ہے تب بھی مادہ پرستی کی وہ ایک ارتقائی صورت ہے مادیت سے جدا نہیں
کر سکتے ہیں۔

(۳) سائنس کے نظریہ روز ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں صدیوں جو مادی نظریے
مسلمہ طور پر رائج ہوتے ہیں انھیں نظریوں کے تحت میں خدائی تعلیمات اور اس کے صفات

کو دیکھا جاتا ہے اور جو تعلیم مذہب الٰہی کے نام سے سائنسٹوں کے سامنے آتی ہے بے حرمتی کے ساتھ ٹھکرا دی جاتی ہے اور کوئی دنیا میں کہنے والا نظر نہیں آتا کہ یہ انکار موجودہ تحقیق کی بنا پر کب صحیح ہے جبکہ سائنسی نظریہ چند روز بعد غلط ثابت ہوتے ہیں تم موجودہ تحقیق کی بنا پر اس صحیح نظریہ کو ٹھکرانے کا کیا حق رکھتے ہو جبکہ سائنسی موجودہ نظریہ غلط ثابت ہو جاوے اس وقت بحث اور نظر کا کچھ اور ہی رُخ ہوگا اور حقانیت تعلیم کی ثابت ہو کر رہے گی لہٰذا "یؤمنون بالغیب" کا آج مضحکہ کرتے ہو کل وہی حقیقت بن جائے گا۔

چند مثالیں

وہ مسائل دینیہ جو صورت و ہیولیٰ کی بنیاد پر بے اصل سمجھے جاتے تھے جب سائنس نے اس تھیوری کی غلطی کا اعتراف کر لیا اور بجائے مادہ برقیوں کا ثبوت فراہم ہوا تو بتاؤ تم نے "اول ما خلق اللہ نوری" کا انکار کر کے اپنی جہالت کا ثبوت دیا یا نہیں۔

جب سے سورج دیوتا اور اگنی دیوتا کی پوجا پاٹ شروع ہوئی اور اس کی صورتوں میں تغیرات ہونے کے باوجود اصل باقی رہی اُس وقت کہنے والے نے مجمع عام میں پکار کر کہا "فلما رأء الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر۔"

جب آفتاب پر نظر پڑی اس وقت چمکدار سورج کو دیکھ کر (حضرت ابراہیم) نے فرمایا بے شک سب سے بڑا یہی میرا خدا ہے لیکن جب غروب ہوا تو فرمایا ہرگز یہ میرا خدا نہیں طلوع غروب کرنے والا خدا نہیں ہو سکتا اگر میرا خدا میری ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہ ہو جاتا" صدیوں مادہ پرست سائنس ہنستی رہی۔ لیکن آج وہی چیز تو کرسی نشین ہوئی جس کا تم مذاق اڑاتے تھے۔ آج بتاؤ سائنس کیا فرماتی ہے

ذیمقراطیسی ذرات وسالمات کے پوجاریوں میں اسلامی تعلیمات پر ہزار ہا سال خوب خوب سنگیوں کیں آج خود مادی سائنس کا کیا فتویٰ ہے۔

ڈارون کی تھیوری پر ایمان رکھنے والے اسلامی تعلیمات پر کس قدر منہ زوریاں کرتے تھے سائنٹسٹ جبکہ اس غلطی پر ایمان لائے بتاؤ ان کی ڈھٹائی کدھر گئی۔

حوادث ارضی و سماوی سے خوف زدہ انسانوں کو اشیائے مادی میں پناہ لینے کی اور ان کی پوجا پاٹ سے خوش رکھنے کی سوجھی تھی زلزلہ آندھی سورج گرہن چاند گرہن میں پچھلی خلقت اُن دیوتاؤں کو ہول اور جھٹکے اور منتروں کی جاپ سے خوش کرنے کی کوشش کرتے تھے اسلام نے ایسے حوادث کو آیات الٰہی قرار دے کر اس خدائے یکتا کی عبادت کی ترغیب دی اور خدا کی یاد کی طرف بلا کر انسان کو مطمئن کیا گیا ہے "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" مادی سائنس کوشش کرتی ہے کہ قوانین طبیعی کی آزادانہ رفتار کی مدافعت کرے لیکن اسلام اس کو منع نہیں کرتا اور ایسے موقع پہ ذکر الٰہی کو موجب قرار دے کر خدا سے بے نیاز نہیں ہونے دیتا اور مادیات کو تحت قانون الٰہی سمجھتا ہے ۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۳) سائنسی مادیت قاطع امید ۔ مایوس آفریں ۔ حوصلہ شکن ۔ انسانی عظمت مٹانے والی بے اعتمادی و بے اعتباری پیدا کرنے والی ہے ۔ لیکن دینی مادیت اُن تمام فائدوں کی جامع ہے جو مادیت سے حاصل ہوتے ہیں باوجود اس کے وہ پُر امید واقع ہوئی ہے "لا تقنطوا من رحمۃ اللہ" رحمت خدا سے مایوس نہ ہو ۔ حوصلہ آفریں ہے "ان تنصروا اللہ ینصرکم اللہ و یثبت اقدامکم" اگر خدا کی مدد (اس کے اجرائے احکام میں) کروگے تو خدا تمھاری مدد کرے گا ۔ اور ثابت قدم بنا دے گا" جرأت فزا ہے "لا یخافون لومۃ لائم" خدا پر بھروسہ کرنے والے دنیا والوں کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے "ان اللہ معکم" (نہ ڈرو) خدا تمھارے ساتھ ہے عظمت و وقار انسانی کو قائم کرنے والی "ولقد کرمنا بنی آدم ... وفضلنا علی کثیر ممن خلقنا" ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور اس کو اپنی (بہترین) بہت سی مخلوق پر فضیلت دی ——— امن و سلامتی کی باعث ہے "لا تفسدوا فی الارض" زمین پہ فساد برپا نہ کرو ۔ "اعدلوا ہو اقرب للتقوی" عدل و انصاف کرو یہی پرہیزگاری کی نشانی ہے ۔ غیر اسلامی مادیت اسلامی مذکورہ مادیت سے بالکل تہی دست

(۲۱)

اسلامی صحیح فلسفہ عملی تھا نہ نظری

اسلامی فلسفہ تمام مذاہب سے بالکل الگ اور تمام فلسفوں سے جدا رہا اس میں نہ مطلق مادیت ہے یعنی مادے کے ایسے پیچھے نہیں پڑے کہ خدا کو بھول جاویں یا خدا کو بھی مادیت میں لپیٹ دیں نہ خشک روحانیت ہی رہی یعنی مادیت کو نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اور کائنات الٰہی کو بیکار و معطل چھوڑ دیں "ما خلقنا ھذا باطلا"، اور "ما خلقناہ عبثا"، اتنی بڑی کائنات خدا کی نہ تو باطل ہے اور نہ عبث و فضول ہے۔ جو ناقابل اعتنا ہو اور اس سے فوائد نہ حاصل کیے جائیں اور اس کے خواص و آثار طبعی و کیمیاوی کا علم نہ حاصل کیا جاوے۔ اسلام نے مادیت میں مداخلت و تصرفات کی نہ ممانعت کی اور نہ کبھی نفرت کی نہ قابل ترک قرار دیا اس نے مدرکات حواس تجربیات کو وہم و خیال نہیں بتلایا۔ اسلام نے مرئی و محسوس دنیا پر بہت زور دیا اسلام کے ظہور تک مادیت کی جولانگاہ یہی مرئی دنیا تھی اور اس کی تنگ و دو محسوس اشیا تک محدود تھی۔ اسلام نے ہرگز یہ نہیں کیا کہ خیالات و تجربیات کی ترقی کو روک دے بلکہ خود اس نے بھی اپنی جولانگاہ اسی محسوس دنیا کو بنایا جیسا کہ گزشتہ آرٹیکلوں سے واضح ہوا اور جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ "ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنھار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیی بہ الارض بعد موتھا وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیات لقوم یعقلون"، تحقیق آسمانوں زمینوں کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں اور اس کشتی میں جو دریاؤں اور سمندروں میں چلتی ہیں جس سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے اور اس پانی میں جب ہم نے اوپر سے اتارا جس سے مردہ زمین کو زندگی ملتی ہے اور ہواؤں کے چلنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان مسخر بادلوں میں نشانیاں

ہیں اُس قوم کے لیے جو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔

ایشیا کی تہذیبیں فنا ہو گئیں اس لیے کہ وہ حقیقت کو محض باطن سے پہچاننا چاہتی تھیں انھوں نے اسکو بطور نظریہ سمجھا مگر قوت و طاقت سے محروم رہے محض نظریوں پر کوئی تہذیب قائم نہیں رہتی جب تک عمل نہ ہو اسلام نے محض باطن ہی پر مدار نہ رکھا تھا بلکہ ظاہر پر زور دیا تھا اور عملی دنیا بنانا چاہی تھی "وان سعیکم لیوی" دنیا میں تمھاری سعی اور عملی جدوجہد کو خدا اچھے نتائج پر نازل کرے گا۔ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا تھا "خلق لکم ما فی الارض جمیعًا" جو کچھ زمین پر ہے سب تمھارے ہی فائدے کے واسطے خلق کیا گیا۔ "قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعباد" کس نے تم پر اُس زینت کو حرام کیا جو خدا نے تمھارے واسطے پیدا کی تھی۔ غرضکہ تعلیم اسلام یہ تھی کہ دنیا اور اسکی ہر چیز انسان کے نفع اُٹھانے کی غرض سے ہے اُن سے فائدہ اٹھاؤ عملی جدوجہد کرو دوسروں کو مستفید کرو کھاؤ پیو چلو پھرو اپنی زندگی کو دوسروں کے واسطے خوشگوار بناؤ اور مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرو۔ اس مقدس دین نے عالم حواس کو معطل نہ چھوڑا تھا بلکہ اسی کو ذریعہ علم قرار دیا تھا "خلقکم فی بطون امھاتکم لا تعلمون شیئًا فجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ" خدا نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا تم کچھ نہ جانتے تھے تمھیں کان آنکھیں دل دئیے انسان کے لیے میدان عمل بنایا اور حصول حقیقت کا ذریعہ بنایا اور عضائے انسانی کو افعال کا ذمہ دار بنایا "ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا" کان آنکھ دل ہر ایک بارگاہ خدا میں مسئول ہے اس طرح سے فلسفہ و سائنس کے واسطے وسیع میدان کھول دئیے تھے۔ اب ابتدائی اور انتہائی فلسفی نظریوں میں اختلاف ہو گیا ابتدائی نظریے یہ تھے کہ انسان قوائے مادی سے مغلوب ہے اس لیے اُن کا محکوم ہے اور اسلامی فلسفہ یہ تھا کہ وہ خلیفۃ اللہ ہونے کی وجہ سے قوائے مادی پر غالب اور حکمران ہے۔ اس نے پرانی مادیت میں نئی زندگی پیدا کی اور ہوا یہ کہ مادی قوت زور سے احکام تسلیم کرائے جاتے اور اپنے حکم کی تعمیل پر حکومت و مادیت کی اپنی

سمجھ کے مطابق قوم کو مجبور کیا جاتا اس لیے بجائے فکر و نظر کی بلندی کے تنفر و پستی خیال پیدا ہوئی اس عظیم الشان انقلاب کے وقت نہایت محتاط اور صحیح الفکر قائد کی ضرورت تھی اور ضرورت اس کی تھی کہ اس انقلاب کی محاذ کی کمان ایسے مدبرین اور مفکرین کے ہاتھوں میں ہوتی جو خلوص سے قوم کی فکری و ذہنی بلندی کو بدون مادی تحکم کے تعلیم و تربیت کے ذریعہ چلاتے اور خود اُسی سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھاتے قدیم مادیت مغرب سے مشرق آ چکی تھی خصوص شام و اسکندریہ اساتذہ و قائدین مادیت قدیم سے بھرگئے تھے اسلامی مادیت کو مادیت قدیم کے قالب میں ڈھال دیا گیا اور اسلام کے نام پر قدیم مادیت کو قوم کے سامنے پیش کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالص اسلامی مادیت مسخ ہو گئی اور اُس اصلی اسلامی مادیت کے اساتذہ و معلم بیدردی سے قتل و قید سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور ان کی قتل و غارتی کا فتویٰ مفتیان مملکت شام کے ہاتھوں جاری ہوا جو بنی امیہ و بنی عباس کے طول و طویل دور میں خوب پرورش پاتا رہا رسول کریم کے بعد ہی اسلامی سائنس دم توڑنے لگی۔

﴿۲۲﴾

مسیحیت و اسلام کا تزلزل

مسیحیت باوجود تزلزل عقائد عرصہ تک مادیت کا مقابلہ کرتی رہی ہر چند کہ اپنی خام اصولی کی وجہ سے متزلزل ہو گئی مگر بات یہ تھی کہ وہ اپنی ساکھ مادیت کے مقابل میں عرصہ تک اس لیے قائم رکھ سکی کہ اس کا تعلیمی نظام مسیحیت ہی کے ہاتھ میں تھا۔ ایچ جی ویلز اپنی کتاب ص۱۱۳ میں کہتا ہے کہ "کلیسا اگرچہ مباحثہ میں بُری طرح نقصان رسیدہ ہوا مگر وہ تعلیمی نظام میں پوری طاقت کے ساتھ محفوظ رہا۔ ان کے مباحثانہ مساعی کی بہ نسبت ان کا عملی مقابلہ بہت زائد موثر ثابت ہوا لوگوں کو کلیسا سے تعلق رکھنے والے اور اپنے بچوں کو اُن کے سپرد کرنے کی قومی عادت تھی اور کلیسا

کے خلاف نہ استاد تیار رتھے نہ اور کوئی مدرسہ تھا اس لیے روایتی تعصب باوجود اپنی پہلی طاقت کے کمزور ہونے کے اس قابل تھا کہ وہ موجودہ مذہب کی ترقی کو اس مقام اور مرتبہ انسان کے مطابق جو نئے دور میں حاصل ہے روکے عام اقبال مندی کے پہلے دور میں ان کے مالی ذخائر کی قیمت کم ہوگئی اور اس لیے ان کا ذہنی اور اخلاقی اثر کم ہوگیا اور جنگ عمومی کے بعد ان کی مادی بنیادیں ہل گئیں اور جب مال محصولات عام دنیا میں اپنی اصلی حالت پر واپس آیا تو انھوں نے اپنی اہمیت کے مطابق مناسب حصہ حاصل نہ کیا اور اب ان میں رفتہ رفتہ تنزل ہوتے ہوتے ۱۹۶۵ء میں یہ حالت ہو جاوے گی کہ کسی نوجوان کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ بطور پادری روٹی کما سکے منظم مسیحی کلیسا آخرکار تاریخ سے اس طرح گم ہو جاوین گے جیسے بعل کی مذہبی پیشوائی ایران کی فتح کے بعد گم ہوگئی

یہ تو مغرب میں مذہب کا مادیت کے مقابلے میں حال ہوا وہاں مذہب اس لیے مقابلے میں ٹھہر سکا کہ ابتدا میں مسیحیت کا تعلیمی نظام وہاں کے مذہبی اکابر کے ہاتھ میں تھا وہ نوجوانوں پر اپنا استادی اثر رکھتے تھے اور لوگوں سے اُن کے روابط وعقیدت مندانہ قائم رہنے کی وجہ سے ان کا سرمایہ دارانہ نظام مضبوط تھا وہ مالی قوت کے بل بوتے پر خود مختارانہ کام کرتے رہے وہ مذہبی مبلغ باہر بھیج کر غیر ملکوں میں مادی سیاست کا پیش خیمہ بنتے رہے اس لیئے یہ سیاست و حکومت وقت کے لیے کارآمد ثابت ہوئی اور حکومت کی بھی ان کو سرپرستی حاصل رہی۔ مشرق میں بھی جب تعلیمی نظام اکابر کے ہاتھ میں تھا اور اُن کا مالی نظام مضبوط تھا اوقاف ان کی نگرانی میں تھے اور سیاست اُن کے اشارہ ابرو پر چلتی تھی تو مشرق میں بھی مذہب چھایا ہوا تھا۔ لیکن جب مادیت نے مغرب میں پاؤں جما کر غیر ملکوں کا رُخ کیا اور مشرق میں آ پہنچے تو معاملہ برعکس ہوگیا مشرقی مذاہب نے عموماً اور مسلمانوں نے خصوصاً مغربی تعلیم کو بائیکاٹ کیا لیکن چونکہ بہ روک نہ سکتے تھے۔ انقلاب حکومت کی وجہ سے لوگون کا عام رجحان "الناس علی دین ملوکھم" کے مطابق اُس کی طرف جھکنا ہی پڑا اور تعلیم علوم مادی کے لیے مغرب ہی کی سرپرستی میں مدارس قائم ہوے اور مغرب ہی نے اساتذہ فراہم کئے اور

مشرقی مذاہب کے اکابر گوشہ میں پڑے رہے موجودہ اور آیندہ نسلوں پر ان کا اثر و نفوذ کم ہوتا گیا اور قدیم مادیت کا اثر و نفوذ بڑھتا گیا لیکن علماء کے اثر و نفوذ کے کم ہوجانے سے اوقاف ان کی نگرانی سے نکل گئے اور وقف کی حالت میں جو روپیہ از قسم زکوٰۃ خمس و تبرعات و صدقات ان کے پاس آیا وہ پرانی عادت کے مطابق خرچ ہوتا رہا اور مذہبی اکابر کی ساکھ جاتی رہی یہ علماء اپنی مالی طاقت کے بل بوتے پر مذہب کا اثر قائم نہ رکھ سکے اور مادی سیاست انھیں اپنی سیاست میں مخل سمجھتی رہی جس سے علماء غالب بھی غیر سیاسی ہوگئے اور سیاست ملک میں ان کا اتنا بھی اثر نہ رہا کہ چھوٹے سے چھوٹے سیاسی ادارے میں مثلاً میونسپلٹی وغیرہ میں بھی ان کی کوئی نمایندگی ہوتی ان کی خانہ نشینی کا بدترین یہ نتیجہ نکلا کہ بیکاری نے ان کو مختلف مراکز پر یکجا نہ ہونے دیا اور خود آپس میں پھوٹ پڑ گئی جو شیعہ سنی جنگوں کی شکل میں نمایاں ہوئی۔ پھر جدید و قدیم کی جنگ چھڑ گئی جو اب تک جاری ہے نظام عملی ہاتھ میں نہ رہنے کی وجہ چھوٹے موٹے قومی ملکی ادارے اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ گانے لگے اور وہ خاص طور پر محاذ جنگ قائم رکھنے میں قلعوں کا کام دیتے ہیں۔ ہندوستان ہو یا عراق و حجاز و ایران ہر جگہ قدامت پسند پسپا ہوئے اور عملی اقتدار کا خاتمہ ان کی استبدادیت کے ہاتھوں ہوگیا اس لیے کہ انھوں نے اپنے اقوال و افعال و اعمال و کردار سے ثابت کر دیا کہ وہ سیاست کے میدان کو کسی طرح ہاتھ نہ لگا دیں گے نہ بطور شریک کار نہ بطور صلح چند لنگڑے لولے مدرسے بھی قائم ہوئے تو ان میں بھی علوم جدیدہ اور ضرورت زمانہ کی بے پروائی و بیگانگی کو بعد افتخار قائم رکھا اور پھر اپنی شراب ناب ایک پرانے قدح سے دوسرے پرانے قدح میں انڈیلتے رہے اور کیونکر ایسا نہ کرتے اس لیے کہ خود علوم جدیدہ اور ضروریات زمانہ سے بے خبر تھے اور اپنی بے علمی کو قدامت کے پردوں میں چھپاتے تھے۔

ہندوستان میں ہندو صاحبان کم خسارے میں رہے جس کے چند وجوہ تھے اولاً ہندوستان میں مغربی حکومت کے آتے ہی ان کے علوم کی تحصیل پر یہ تیار ہوگئے اور مغربی سیاست میں شریک کار بن کر اپنے مذہبی روایات کی حفاظت کرتے رہے۔ دوسرے اپنے پرانے

عقیدے چھوت چھات کی وجہ سے ان کے خانگی ماحول میں مذہبی اثر قائم رہا۔ تیسرے اُن کے مذہبی پیشوا اور سادھوؤں نے عوام کے گھروں پر جانا اور بھیک مانگنا جاری رکھا اس لیے ان کی آمدورفت عوام میں جاری رہنے کی وجہ سے مذہبی رابطہ قائم رکھنے میں معاون ہوئی۔ چوتھے ان کی مذہبیت قومیت و وطنیت تک محدود تھی اور مغربی مادیت اپنے مفاد کے لیے یہی سبق پڑھانے ہندوستان آئی تاکہ لڑاؤ اور حکومت کرو کا اصول قائم رہے لہذا اول اول ہندوازم کا عرصہ تک حکومت سے تصادم نہ ہوا ہر چند کہ بعد میں اس قوم کی بھی آنکھیں کھلیں اور اپنے ہُستادوں پر دیدے نکالنے لگے۔ پانچویں ان کے مذہبی پیشواؤں نے اپنی قوم کی سرمایہ داری سے اہم فائدہ یہ اُٹھایا کہ تعلیمی نظام خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پہلا قدم راجہ رام موہن رائے بانی برہمو سماج نے اٹھایا پھر پنجاب میں سوامی دیانند سرسوتی نے اینگلو سنسکرت کالج قائم کئے ان کے بعد مہاتما گاندھی اور پنڈت مدن موہن مالوی جی نے سیاست و تعلیم اپنے ہاتھوں میں لے لی اور اپنی قومی ذہنیت قائم رکھی۔

سر سید نے برادران وطن سے سیاسی سبق لیا اور علی گڈھ کالج تو قائم کیا لیکن سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ علوم مغربیہ سے مرعوب ہو کر تعلیمات اسلامی کو مغربی جامہ پہنا دیا اور اسلامی تعلیمات و مذہبی ذہنیت کو لامذہبیت اور کم از کم اسلامی تعلیم سے دور پھینک دیا اور اپنے گھر سے اصلی اسلامیت کی مخالفت شروع ہوگئی اور مذہبی جنگ کا ایک نیا محاذ قائم ہو گیا۔ لیکن بالنسبۃ شیعوں کے حضرات اہل سنت پھر بھی مذہبی اثر تھوڑا بہت قائم رکھ سکے اولاً اس صورت سے کہ تمام ملک میں مسجد، خانقاہوں پیری مریدی اور عام امامت کا وسیع جال پھیلا ہوا تھا لہذا وہ عوام سے تعلقات قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ ادھر علمائے دیوبند نے علمی قلعہ بنا کر تعلیم و تربیت جاری کر دی اور ندوۃ العلماء کے نام سے دوسرا علمی قلعہ بنا اور قدیم و جدید تعلیم کے درمیان ایک نیا راستہ بھی بنایا اور ان مدرسوں سے مسلمانوں میں سیاسی اور کیونسٹ مسلمان پیدا کرنا شروع کئے۔

شیعہ اولاً سب کے بعد چونکہ اور سیاست سے محروم مال سے تہیدست چند مدرسے قائم کر سکے لیکن یونانیوں کے عاشق صادق اور بے ضرورت اور فرسودہ علوم کے باوفا عشاق نے تعلیمی راستہ نہ بدلنا تھا نہ بدلا۔ ایک قدرتی ذریعہ تعلیم و تربیت اور عوام میں مذہبی اثر باقی رکھنے کا مجلس عزا تھی جو شیعہ مذہب کی بقا کی واحد ضمانت تھی اس کو بھی خطابت و شاعری اور دور از کار باتوں کا مجموعہ بنا دیا نہ حقائق و معارف کی جگہ رکھی نہ موعظہ و نصیحت رہا نہ واقعات تاریخی کی کوئی جگہ رہی۔ شہید اعظم اسلام نعوذ باللہ مسیحی کفارہ بن گیا اخلاق و آداب و تعلیمات حسینی سے قوم ناآشنا بنا دی گئی اور شہادت امام کے سیاسی اخلاق ادبی معاشی معاشرتی مذہبی تعلیمات پس پشت ڈال کر نجات کا انحصار رونے رلانے پر ہو گیا۔ "ڈاکٹر ڈبلیو۔ آر۔ میتھیوز ڈین آف سینٹ پالز، نے کیمبرج میں "موڈرن چرچ مینز یونین" کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "مجھے یقین نہیں کہ اس ملک کے بیس فیصدی آدمی بھی لفظ کے کسی ممکن معنی میں عیسائی ہیں (سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور یکم اکتوبر سنہ ۱۹۳۵ء) اب تو بلا تشبیہ یہی حال شیعیت کا ہے۔

المختصر عالمگیر مادیت سیاست کے تمام شعبوں میں اسکی ممد و معاون بنی مادی علوم نے سیاسیین کی اغراض ذاتی کو پورا کرنے کیلئے اپنے معلومات کے ذخیرے پیش کر دیے اور تسخیر قوائے مادہ نے حکومت کی خواہش پر ہر قوم کو آمادہ کر دیا اسلیئے قومیت سرمایہ داری تفوق و تعلی اسلام میں بھی پیدا ہو گئی جس وقت مسلمان اپنے اسلام کو بھی ہر وقت نثار کرنے پر آمادہ ہیں اور ایسے ہی نفرتی اسلام کو پیش کرنے پر فخر کرتے ہیں اب یہ مادیت اور اسکے ثمرات و نتائج کے مٹنے کی کوئی تدبیر بجز اسکے نہیں ہے کہ خود یہ مغربی مادیین موجودہ جنگ کی تباہ کاری اور میکانیکی بربادیوں سے سبق حاصل کر کے مادی بھوت کی اور میکانیکی خداؤں کی پوجا چھوڑ دیں اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں حیات صالح کے اعتبار سے اصلاح کریں اور سچے مذہبی بنیں۔ اس صورت میں ایشیا بھی اپنی اصلاح کی کافی مہلت موقع حاصل کرے گا ورنہ ہمیشہ اپنے آقاؤں کے پیچھے دوڑتا رہے گا۔

۱۹/ اپریل سنہ ۱۹۶۳ء حیدرآباد دکن

دعوت حق

دور ماضی میں بارہا یہ ہو چکا ہے کہ فلسفہ و سائنس نے ہر مذہب کو اس کے اصلی خدوخال میں اپنا رنگ جما کر تغیر و ضعف و اضمحلال پیدا کر دیا تھا بعض مذاہب تو سائنس کی زد میں آکر بالکل فنا ہو گئے تھے اور بعض برائے نام باقی رہ کر اپنی اصلیت کھو بیٹھے تھے آج بھی فلسفۂ جدیدہ کے ہاتھوں مذاہب عالم کی یہی درگت ہو رہی ہے اسلام بھی اس سے مستثنا نہیں ہے اسلام پرست کثرت سے اپنے خصوصیات اسلامی کھو بیٹھے ہیں چند ہستیاں ایسی ملیں گی جو اس مادیت کے دور جدید میں سائنس سے مرعوب نہیں ہوئیں اور اپنے اپنے طور پر اصل مذہب کو گلوں سے چمٹائے بیٹھے ہیں محض اس لیے کہ حافظان مذہب اپنی انتہائی تہیدستی بے مایہ گی تنہائی و کس مپرسی میں بھی سائنس کے حملوں سے اپنے پیارے مذہب کو جان و مال کے ایثار سے ہر طرح کی قربانی دے کر بچا رہے ہیں جس وقت سیلاب دہریت فلسفہ جدید کا مذاہب عالم بہائے لیے جا رہا تھا سب سے پہلے سنہ ۱۹۰۰ء میں مجدد ملت حکیم الامت حضرت علامہ ہندی مجتہد العصر و الزمان مدظلہ امداد غیبی پر بھروسہ کر کے اٹھے اور فلسفۂ جدیدہ کے مقابلے میں فلسفہ اسلام کو پیش فرمانے کی ٹھان لی اور علوم جدیدہ میں اس گوہر نایاب کی اٹھارہ جلدیں تصنیف فرما دیں جس کے سلسلہ میں یہ پہلی جلد پیش کی جا رہی ہے۔ ناصران اسلام و حافظان ملت کی غیرت اسلامی سے پوری توقع ہے کہ اپنی مالی امداد سے دریغ نہ کریں کثیر التعداد خریدار فراہم کریں دولتمندوں کو مالی اعانت کی طرف متوجہ کریں تاکہ طباعت و اشاعت فلسفۃ الاسلام کا سلسلہ قطع نہ ہو جملہ خط و کتابت و ارسال زر اعانت حسب ذیل پتہ پر ہونا چاہیے۔ (۱) حضرت مصنف مدظلہ العالی۔ کربلائے تحسین ڈیوڑھی آغا میر لکھنؤ

(۲) حضرت سید العلماء مولانا سید علی نقی مدظلہ عبد العزیز روڈ لکھنؤ —

(۳) حضرت خطیب اعظم مولانا سبط حسن صاحب رشید ترابی محلہ نام قی حیدرآباد دکن

مینیجر دار التبلیغ لکھنؤ